ملکہ بساط

از قلم

لائبہ سید

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

ناولز کلب
فون: 03257121842
ای میل: novelsclubb@gmail.com
www.novelsclubb.com

جملہ حقوق بحق مصنف محفوظ ہیں، مصنف کی تحریری اجازت کے بغیر کتاب شائع نہیں کی جاسکتی۔ خلاف ورزی کی صورت میں مصنفہ قانونی کاروائی کا حق رکھتی ہیں۔

یہ ناول کتابی صورت میں بھی موجود ہے، تفصیلات کے لئے آپ لکھاری سے رابطہ کر سکتے ہیں، کتاب میں اضافی سینز موجود ہیں۔

ناول کلب
Clubb of Quality Content

Malka e Bisaat is a paid novel, you can buy its ebook/hard book, Contact on 03257121842.

These are some glimpse/ scenes for your interest and I am posting them for free so you can read them and get idea of story.

پیش لفظ

اپنی جنگ آپ لڑنے والی ملکہ کے نام

تم ملکہ ہو

اس بساط کی

تم ہار نہیں سکتی

کوئی تمہیں ہرا نہیں سکتا

جو تمہارے پاس ہے وہ کسی کے پاس نہیں

اس کا استعمال کرو

اور اس بساط پر حکومت کرو

تم ملکہ بساط ہو!

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

آغاز:

شادی کہنے کو ایک لفظ ہے بڑا پر لطف سا۔ جذبات سے گندھا ہوا۔ لطیف احساسات کا مجموعہ۔ ایک خوشگوار احساس۔ مگر کیا واقعی ایسا ہے؟ کہتے ہیں نا کہ پانچوں انگلیاں برابر نہیں ہوتیں، بس یہی حال اس رشتے کا ہے۔ جیون ساتھی اگر قسمت سے ایک "انسان" مل جائے تو انسان دنیا میں ہی جنتیں دیکھ لیتا ہے۔ اور اگر بد قسمتی سے کوئی "جانور" مل جائے تو دنیاوی جہنم انسان کا مقدر بن جاتی ہے۔ سب سے بڑی جہنم ہے ایک ناکام شادی۔

میں نے بذاتِ خود ایک انتہائی باشعور سائکولوجسٹ خاتون کے منہ سے یہ بات سنی کہ عورتیں ایک تھپڑ بھی برداشت نہیں کرتی ہیں اور طلاق لینے پہنچ جاتی ہیں۔ افسوس میں ان سے اس بات کی تفصیل نہ پوچھ سکی۔

وہ زمانہ گیا جب عورت سال ڈیڑھ سال کا بچہ بغل میں دبائے، سات آٹھ ماہ کا بچہ پیٹ میں لئے گھر کے کام کرتی اور اسے کھانے میں ٹھڈے، گالیاں، تھپڑ طعنے ملتے، وہ سب سہتی اور اف نہ کرتی۔ کبھی کسی نے سوچا کہ وہ اف کیوں نہ کرتی تھی؟ کیونکہ وہ

محتاج تھی۔ان پڑھ تھی۔پہلی بات اپنے لئے بولے تو کس کے دم پر؟دوسرا وہ جانتی تھی کہ اگر شوہر کو اکڑ دکھائی تو یہ تو لات مار کر نکال باہر کرے گا۔بھائی اس کا بوجھ اٹھائیں گے یا بچوں کی اس پلٹون کا،جو وہ ساتھ لے کر جائے گی،بس اسی لئے وہ چپ ہو جاتی تھی۔

تب تعلیم اتنی عام نہیں تھی۔جیسے جیسے تعلیم عام ہونے لگی،عورتیں برسرِ پیکار ہونے لگیں تو انہیں پتہ چلا کہ ان کے کیا حقوق ہیں۔ایک ایسی عورت جس کی پرورش بالکل مرد کی طرح کی گئی ہو،اس پر اتنے ہی اخراجات کئے جائیں جتنے اس کے بھائی پر کئے گئے ہوں،مہنگے اداروں کی تعلیم۔اور پھر وہ مرد جتنا کمائے اور اس مرد سے ہی جوتے کھائے۔

جس عورت کو آپ یہ کہہ کر دلاسہ دیتے ہیں کہ وہ تمہارا شوہر ہے وہ تمہیں مار سکتا ہے،کبھی اس عورت کی جگہ اپنی بہن،بیٹی،ماں کو تصور کیا ہے؟؟

جب عورت ایک مرد کی طرح 9 سے 5 نوکری بھی کرے،گھر بھی دیکھے،بچے بھی پیدا کرے،انہیں پالے بھی اور پھر بھی شوہر اسے تھپڑ مارے تو ایسے شوہر کا کیا علاج ہے؟؟

میرے نزدیک ایسے انسان کا علاج میں اپنی کہانی میں بتا چکی ہوں،آپ کے جوابات کا مجھے انتظار رہے گا۔

☆☆☆☆☆

"تم مجھے بس اتنا بتادو کہ چاہتی کیا ہو؟؟ ستائیس کی ہو گئی ہو، پانچ رشتے میں تمہیں دکھا چکی ہوں جو تمہاری ناک پر نہیں بیٹھے۔ عظمیٰ کی طرح پینتیس میں شادی کروانا اور ایک بچہ پیدا کر کے خود ڈھلک جانا۔۔ ٹھیک ہے۔" وہ ناشتے کی میز پر ابھی آ کر بیٹھی ہی تھی جب نسرین بیگم حسبِ معمول بولنے لگیں۔ گندمی رنگت، چہرے پر کہیں کہیں مہاسوں کے مدھم نشان، سنجیدہ سے تاثرات لئے رملہ حسن نے نظریں اٹھا کر ماں کو دیکھا۔ یہ جنگ پچھلے پانچ ماہ سے جاری تھی، نسرین بیگم اسے پانچ رشتے دکھا چکی تھیں، جنہیں وہ انکار کر چکی تھی، وجہ صرف لڑکوں کی معمولی آمدن تھی۔ ایک فیکٹری میں نوکری کرتا تھا۔ ایک لیب ٹیکنیشن تھا۔ ایک کہتا تھا میرا آن لائن بزنس ہے۔۔ ایک کہتا تھا میرا اپنا گیراج ہے، جو پتہ کروانے پر معلوم ہوا کہ اس کا گیراج کیا اپنا ایک ذاتی ٹائر بھی نہ تھا۔ اور پانچواں ایک سکول ٹیچر تھا۔ وہ بذاتِ خود بینک مینجر تھی۔ وہ جانتی تھی کہ اگر اس نے ایک کم آمدنی والے شخص سے شادی کی تو ساری عمر گھر وہی چلاتی رہے گی۔ مسئلہ گھر چلانے میں نہیں تھا۔ مسئلہ اس کے ساتھ تھا۔ اس کا دل نہیں مان رہا تھا اور ویسے بھی اتنا تو اس کا حق تھا کہ اپنے جیون ساتھی مرضی سے چن سکتی۔

"عظمیٰ نے جس چکر میں پینتیس کی عمر میں شادی کی ہے میں اس چکر میں بالکل بھی نہیں ہوں، آپ کوئی اچھا رشتہ لائیں تو ہی میں ہاں کروں گی۔۔" اس نے ایک نظر پاس بیٹھے خود سے ڈیڑھ سال چھوٹے بھائی کو دیکھا اور نرم لہجے میں ماں کو جواب دیا۔ عظمیٰ اس

کی خالہ زاد تھی، ایک کمپنی میں نوکری کرتی تھی، وہیں کوئی پسند آ گیا۔ پسندیدگی کب محبت میں بدلی پتہ ہی نہ چلا۔ پتہ تو تب چلا جب اسے دو لاکھ اپنی جیب سے دیئے کہ دبئی جاؤ اور وہاں جا کر مجھے بھی بلا لینا۔ اس نے دو سال سیٹل ہونے میں لگائے اور پھر اپنی بیٹی کی تصویر بھیج کر بلاک کر دیا۔ عظمیٰ نے چار سال غم منایا، خوب دکھی گانے سنے اور پھر پینتیس کی ہو کر شادی کر واہی لی۔

"تو تم بتا دو اگر تمہارا کوئی ایسا چکر ہے تو۔؟" نسرین بیگم نے تڑخ کر کہا۔ اس کی شادی کے ٹاپک پر وہ یوں ہی تلخ ہو جاتی تھیں۔ اس نے ضبط کے باوجود ہاتھ میں پکڑا نوالہ پلیٹ میں پھینک دیا۔

"امی بس کر دیں۔۔ ان چکروں میں پڑنے والیوں کے رنگ ڈھنگ دیکھے ہیں آپ نے کبھی؟ لپ اسٹک نہیں اترنے دیتیں وہ۔۔ اور میں؟ چار چار دن میں نے کبھی بال نہیں کھولے صرف اس وجہ سے کہ میرے پاس وقت نہیں۔۔ جو پیسہ میں نے خود پر خرچ کرنا ہو وہ میں یہ سوچ کر نہیں کرتی کہ گھر کی کوئی چیز آ جائے گی اور آپ۔" اس سے مزید بولا نہ گیا۔ گلے میں گلٹی ابھری اور آنکھیں نمکین پانی سے بھر گئیں۔ ماں کے ایسے تلخ الفاظ اسے ہمیشہ تکلیف دیتے تھے۔ اس نے دوسری کرسی سے بیگ اٹھایا اور چادر اوڑھتی باہر نکل گئی۔ آنسو چھلکنے کو بے تاب تھے، مگر وہ ضبط کیے رہی۔ اسے رات کا انتظار تھا۔ سارے دن کا غبار وہ رات کو بستر میں منہ چھپا کر نکالتی تھی۔ یہ اس کی کمزوری کہہ

لیں یا طاقت۔ مگر وہ کسی کے سامنے نہیں روتی تھی۔ عرصہ ہوا اس نے کسی کے سامنے رونا چھوڑ دیا تھا۔

"امی آپ سے کتنی دفعہ کہا ہے کہ اسے فورس مت کریں، نہ ایسے الفاظ استعمال کیا کیجئے۔ آپ اچھی طرح جانتی ہیں کہ وہ کیسی ہے، پھر بھی آپ اس کا دل دکھاتی ہیں۔۔" عمر نے تاسف سے ماں کو دیکھا۔

"تو پھر اس کو بھی سمجھاؤ۔ یہی عمر ہوتی ہے شادی کی۔۔" نسرین بیگم کی وہی ضد تھی۔ عمر نے لب بھینچ کر انہیں دیکھا۔ ناشتے سے ہاتھ کھینچتا وہ اٹھا اور دفتر کے لیے نکل گیا۔

ستائیس سالہ رملہ حسن بینک مینجر تھی جبکہ اس سے ڈیڑھ سال چھوٹا عمر حسن ایک کمپنی میں فنانس مینجر تھا۔ بچپن سے ماں باپ کو لڑتے دیکھتے آئے تھے، بارہ سال پہلے بالآخر ایک دن ان کی ماں کو طلاق ہو گئی۔ دو جوان بچوں کی ماں کو طلاق۔۔ ہر سننے والے کو ایک اچھا موضوع ملا تھا۔ بھائیوں نے صاف صاف لاتعلقی کا اظہار کر دیا تھا۔ اس صورتحال میں ان تینوں نے کیسے گزارا کیا تھا وہ جانتے تھے یا ان کا رب۔ دس سال انہوں نے کرائے کے مکانوں میں دھکے کھائے۔ دو سال پہلے ہی انہوں نے اپنا ذاتی گھر لیا تھا۔ اچھے علاقے میں، اچھے طرز سے تعمیر کیا گیا ایک گھر۔ مگر اس میں رکھنے کو کچھ بھی نہ تھا۔ جب طلاق ہوئی تو نسرین بیگم کو خالی ہاتھ نکال دیا گیا تھا۔ انہیں ان کے جہیز کا ایک

چیچ بھی واپس نہ ملا۔ماں کے گھر آئیں تو ان کے سامان پر بہویں قبضہ کر چکی تھیں۔ پھر بھی ان کی اتنی عنایت تھی کہ انہوں نے دو چار پائیاں اور دو چادریں دے دیں۔ پہلا کرائے کا مکان۔ایک کمرہ، برآمدہ اور غسل خانہ۔ دھیرے دھیرے مکان بھی بدلے گئے اور سامان میں بھی دھیرے دھیرے اضافہ ہونے لگا۔ دس سالوں کی ان تھک محنت کے بعد انہیں گھر ملا تھا۔ یہ مکان نہیں تھا، گھر تھا۔ مگر ابھی بھی کمی تھی۔اس گھر کے شایان شان ان کے پاس سامان نہیں تھا سو سارا فرنیچر، الیکٹرونکس اور برتن خریدے گئے۔ گویا انہوں نے اپنے ریزہ ریزہ ہوئے وجود کو جوڑ کر اس مکان کو گھر بنایا تھا۔

☆☆☆☆☆

"طیب آج ٹائم سے گھر آجانا۔ لڑکی والے آئیں گے تمہیں دیکھنے۔" رومانہ بیگم نے ناشتہ کرتے طیب مرتضیٰ کو مخاطب کیا۔

"اوکے امی۔" اس نے سر اثبات میں ہلایا۔

"ہمم، ہمم۔۔ بھئی بڑی فرمانبرداری ہو رہی ہے۔" ساتھ والی کرسی پر بیٹھی اس کی جڑواں بہن طیبہ مرتضیٰ نے اسے ٹہوکا مار کر شرارت سے کہا

"چپ کرو تم۔ تمہارا بھی بندوبست کرتی ہوں میں۔" رومانہ بیگم نے اسے مصنوعی گھوری سے نوازا۔اور ٹرے میں ناشتہ سیٹ کر کے کمرے کی طرف چل دیں۔

"میں نکلوں اس سے پہلے کہ امی میری گردن پر چھری پھیریں۔اللہ حافظ برو۔۔"
اپنا ہینڈ بیگ اٹھاتی وہ تیزی سے دہلیز عبور کر گئی۔

یہ تھے مرتضیٰ ہاؤس کے مکین۔ چھبیس سالہ طیب مرتضیٰ اور اس کی جڑواں بہن طیبہ مرتضیٰ۔ان کی والدہ رومانہ بیگم اور والد مرتضیٰ احمد۔ مرتضیٰ احمد شادی سے پہلے بیمار اور کافی کمزور تھے۔انہیں سانس کا مسئلہ تھا۔وہ شادی کرنے کے حق میں نہیں تھے، وہ جانتے تھے کہ ان کے پاس اتنی مہلت نہیں ہے، مگر ماں کے مجبور کرنے پر انہوں نے رومانہ بیگم سے شادی کر لی۔ مگر رومانہ بیگم سے کچھ نہ چھپایا، وہ انہیں اپنی شادی سے پہلے ہی اپنی حالت کے بارے میں آگاہ کر چکے تھے۔رومانہ بیگم غریب گھر سے تعلق رکھتی تھیں اتنے اونچے اور امیر گھر سے رشتہ آیا تو کسی کو اعتراض نہ تھا۔ مرتضیٰ احمد کی دولت نے ان کے تمام عیبوں پر پردہ ڈال دیا۔اور جب رومانہ بیگم کو ان کی حالت کے بارے میں معلوم ہوا تو انہوں نے کوئی اعتراض نہ اٹھایا۔اور بیاہ کر مرتضیٰ احمد کے گھر آ گئیں۔

مرتضیٰ احمد ایک نہایت محبت کرنے والے اور من چاہے جیون ساتھی ثابت ہوئے تھے۔رومانہ بیگم کو دنیا جنت لگنے لگی۔زندگی کے پندرہ سالوں میں انہوں نے ہر نعمت دیکھ لی تھی۔اور پھر ایک دن قیامت خیز ثابت ہوا۔ مرتضیٰ احمد کو فالج نے آن گھیرا۔اور تب رومانہ بیگم نے اپنی محبت کا ثبوت دیا۔وہ ہر پل ان کا خیال رکھتیں، ان کا ایک ایک کام خود کرتیں انہیں کبھی محسوس نہ ہونے دیا کہ وہ اپاہج ہیں۔ مسلسل ملنے والی طبعی امداد کے

باعث مرتضیٰ احمد کے ہاتھ اور بازو کچھ حد تک نارمل ہو گئے تھے لیکن وہ چلنے پھرنے سے قاصر تھے اور رومانہ بیگم ان کا ہر کام بہت خوش اسلوبی سے کرتیں۔

طیب کا اپنا الیکٹرونکس کا کاروبار تھا طیبہ میونسپل آفیسر تھی۔ رومانہ بیگم پچھلے دو ماہ سے طیب کے رشتے کی تلاش میں سرگرداں تھیں اور بالآخر انہیں ایک نہایت سلجھا ہوا گھرانہ ملا تھا۔ انہوں نے آج لڑکی والوں کو لنچ پر دعوت دی تھی۔ ان کا کہنا تھا کہ اگر وہ طیب کو پسند کر جاتے تو وہ جا کر بات پکی کر آتیں۔ انہوں نے لڑکی کی تصویر ہی دیکھی تھی۔ ملائکہ نامی وہ لڑکی یتیم تھی۔ اس کی ماں اور وہ اپنے تایا کے ساتھ رہتی تھیں۔ وہ نہایت خوبصورت اور معصوم سی لڑکی تھی۔ رومانہ بیگم خود بھی اس حق میں نہیں تھیں کہ وہ بار بار لڑکی کو دیکھنے کے بہانے جاتیں، وہ بس ایک ہی دفعہ بات پکی کرنا چاہتی تھیں۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

☆☆☆☆☆

واپسی پر طیبہ کا الجھن زدہ چہرہ دیکھ کر طیب نے اس سے استفسار کیا تبھی رومانہ بیگم نے ساری بات طیب اور مرتضیٰ صاحب کے سامنے رکھی۔

"امی میں نے پہلے دن ہی اس رشتے پر راضی نہیں تھا، وہ ایلیٹ کلاس لوگ ہیں، اپنی کمپنی ہے ان کی۔ اتنا وسیع بزنس ہے۔۔ ہم ان کے برابر نہیں ہیں۔ اور یہ کلاس کا فرق بہت سی چیزیں خراب کرے گا ہمارے رشتے میں۔" طیب ان کی بات سنتے ہی بگڑا تھا۔

"میں نے لڑکی دیکھ کر ہی تمہیں سب بتایا تھا طیب! ملائکہ بالکل ایسی نہیں ہے، اس حوالے سے تم مجھ پر بھروسہ کر سکتے ہو۔۔ وہ اس کلاس کی لڑکیوں جیسی نہیں ہے۔۔" رومانہ بیگم نے اسے آرام سے سمجھایا۔ انہیں اس رشتے میں کوئی قباحت نظر نہیں آرہی تھی۔

"اور اگر اسفند اس کلاس کے لڑکوں جیسا ہوا تو؟" "میں بس چاہتا ہوں کہ آپ وٹہ سٹہ نہ کریں۔۔ یہ رشتہ بہت نازک ہوتا ہے۔ اور کبھی بھی کامیاب نہیں ہوا" وہ ہنوز جھنجھلایا ہوا تھا۔

"تم دونوں رشتوں میں اعتدال رکھنا، بھائی کی جگہ بھائی اور شوہر کی جگہ شوہر بننا۔ باقی سب اللہ بہتر کرے گا۔" مرتضی صاحب نے کہا۔ وہ بھی اس رشتے پر رضامند نظر آ رہے تھے۔

Clubb of Quality Content

"پھر بھی آپ لوگ ایک دفع سوچ لیں مجھے یہ کچھ مناسب نہیں لگ رہا۔" وہ کہنا چاہتا تھا کہ طیبہ سے پوچھ لیں لیکن یہ کام خود کرنے کا سوچتے وہ چپ کر گیا۔

"چلو تم اس لڑکے سے مل لو ایک دفعہ خود تسلی کر لو۔ کل وہ لوگ آئیں گے ابھی کچھ فائنل نہیں کیا ہم نے۔" رومانہ بیگم نے اسے مشورہ دیا۔

"امی اگر وہ لڑکا مجھے کسی بھی طرح طیبہ کے لئے موزوں نہ لگا تو آپ دونوں رشتوں سے انکار کریں گی۔" وہ دوٹوک انداز میں بولا۔

"کیوں انکار کیوں کرنا ہے؟؟ نا تو اسفند میں کوئی مسئلہ ہے جو تم انکار کرو، اور اگر اس کو انکار کرنا بھی ہے تو ملائکہ کا کیا قصور؟؟' وہ خفگی سے بول رہی تھیں۔

"امی ملائکہ نامیری منکوحہ ہے نا منگیتر جو میں انکار نہیں کر سکتا۔ ظاہر سی بات ہے اگر ہمیں ان کا لڑکا ناپسند آیا تو کیا تعلقات ایسے ہی رہیں گے؟؟ اسی لئے میں چاہ رہا تھا کہ آپ وٹہ سٹہ نہ کریں۔۔" وہ اپنے موقف پر ڈٹا ہوا تھا۔

"خیر میں جب تک اسفند سے مل نہیں لیتا آپ کوئی فیصلہ مت کریئے گا۔" اپنی بات کہتا وہ اٹھ کھڑا ہوا رخ طیبہ کے کمرے کی جانب تھا۔

☆☆☆☆☆

وہ اسفند سے ملنے اس کے آفس آیا تھا۔ کئی منزلہ وہ شاندار عمارت ان کی کمپنی کا آفس تھی۔ وہ لوگ ایلیٹ کلاس سے تعلق رکھتے تھے۔ طیب کسی طور پر اس رشتے کے لیے راضی نہ تھا مگر رومانہ بیگم اور مرتضیٰ صاحب دونوں مکمل طور پر رضامند تھے۔

ایک گہری سانس فضا کے سپرد کرتے وہ اندر کی طرف بڑھا، وہ نہیں جانتا تھا کہ وہ اس شخص سے کیا بات کرے گا مگر وہ اس سے ایک دفعہ ملنا چاہتا تھا۔ ریسیپشن پر اپنا نام بتا کر وہ ویٹنگ ایریا میں موجود صوفوں پر بیٹھ گیا، ابھی اسے بیٹھے دو منٹ بھی نہیں ہوئے تھے جب وہ آن حاضر ہوا۔ سیاہ پینٹ، میرون شرٹ، شرٹ کے اوپری دو بٹنوں سے جھانکتا

سینہ، بالوں کا لہر دار پف، ہلکی داڑھی مونچھیں، سفید رنگ۔ بلاشبہ وہ بہت خوبصورت تھا۔

"السلام علیکم! آپ نے بتایا ہی نہیں مجھے آنے سے پہلے۔" وہ خیر مقدم سی مسکراہٹ کے ساتھ اس کے گلے لگا۔

"بس ایسے ہی پلان بنا آپ سے ملاقات کا۔۔" طیب نے مسکرا کر کہا۔

"چلیں آپ نے ہمیں یہ شرف بخشا۔۔ ریسٹورنٹ چلیں گے یا آفس؟" وہ مسکرا کر اس سے پوچھنے لگا۔

"نہیں نہیں آفس ہی ٹھیک ہے۔ میں بس ایسے ہی سلام دعا کے لئے آیا تھا۔" طیب کو شرمندگی سی ہو رہی تھی۔ اسے وہ لڑکا بہت خوش اخلاق اور رکھ رکھاؤ والا لگا تھا۔

"چلیں آجائیں۔" وہ پاس سے گزرتے ملازم کو چائے کا کہتا اسے لیکر اپنے آفس کی طرف بڑھ گیا۔۔ اس کا آفس بھی نہایت خوبصورتی سے سجا تھا۔

"بیٹھیں پلیز۔" اسفند نے اس کے لئے چیئر سیدھی کی۔ "تو کریں میرا انٹرویو شروع۔" وہ اس کے سامنے بیٹھ کر مسکرا کر کہنے لگا۔

"مطلب؟" اس کا مطلب طیب بھی خوب سمجھا تھا۔

"آپ میرے انٹرویو کے لئے ہی آئے ہیں نا۔" اس نے شرارت سے لب دبا کر کہا۔

"نہیں ایسی بات نہیں۔ میں بس ویسے ہی آپ سے ایک دفعہ ملنا چاہتا تھا۔" طیب ذرا شرمندگی سے بولا تبھی ملازم چائے اور لوازمات کے ساتھ حاضر ہوا تھا۔

"چلیں مان لیتے ہیں آپ کی بات۔" چائے کا کپ طیب کی طرف بڑھاتے کہا۔

تبھی دھاڑ سے دروازہ کھلا طیب نے بے ساختہ پیچھے مڑ کر دروازے کی طرف دیکھا۔ اور دروازے کی طرف دیکھتے اسفند کا بھی رنگ فق ہوا تھا۔ وہ ایک سیکنڈ میں سنبھلا اور دروازے کی طرف بڑھا۔

"یہ تمہاری ریسیپشنسٹ کسی دن مرے گی میرے ہاتھوں۔ سالی کو اتنی دفعہ بتایا ہے مجھے دروازے پر مت روکا کرے، ہر دفعہ کا یہی بہانہ سر میٹینگ میں ہیں، سر میٹینگ میں ہیں۔ جیسے میں تو جانتا نہیں نا کہ تو سالا کس میٹینگ میں بزی ہوتا ہے۔" سرخ انگارہ آنکھیں اور بکھرے بالوں والا وہ نوجوان شکل سے ہی ڈرنک لگ رہا تھا۔

"وقاص میں مہمان کے ساتھ مصروف ہوں، تم چلو میں تم سے بعد میں بات کرتا ہوں۔" وہ اٹھ کر اسے دروازے کی طرف دھکیلنے لگا۔ طیب چائے کا کپ چھوڑ کر حیرانگی سے دونوں کو دیکھ رہا تھا۔

"تم کرتے رہو مہمان نوازی بس مجھے دو لاکھ ٹرانسفر کر دو۔" وہ ذرا بد تمیزی سے بولا۔

"اچھا ٹھیک ہے تم جاؤ میں کرتا ہوں۔" اسفند نے اسے زیر لب موٹی سی گالی دے کر تسلی دے کر کہا کہ وہ چلا گیا، اس کے جانے کے بعد وہ دوبارہ طیب کی طرف متوجہ ہوا۔

"معذرت یہ میرا کزن تھا، لاڈلہ ہے تو ذرا بگڑا ہوا ہے۔" اس نے چہرے پر شرمندہ تاثرات سجائے کہا۔ طیب نے سر ہلایا۔۔ وہ چائے چھوڑ چکا تھا۔ کچھ دیر مزید باتیں کرنے کے بعد وہ اٹھ کھڑا ہوا۔ اس کے جاتے ہی اسفند نے ایک لمبی سانس فضا کے سپرد کی اور گرنے کے سے انداز میں کرسی پر بیٹھا۔

"آہ ڈیڈ۔ تھک گیا میں۔" تبھی آفس کے ساتھ ملحقہ کمرے سے مرزا حمید برآمد ہوئے۔

"بس میرا بیٹا بس۔ اسے تسلی ہو گئی ہے۔ یہ دعا کرو کہ اس وقاص کی وجہ سے وہ کوئی گڑبڑ نہ کر دے۔" انہوں نے اسے پچکارتے ہوئے کہا۔

"اور تمہیں کیا ضرورت ہے اس پر اتنے پیسے لٹانے کی۔" وہ اسے اب خفگی سے گھور رہے تھے۔

"ڈیڈ وہ میرا دوست ہے۔ اب میں کسی کی وجہ سے ان سے تو دور نہیں ہو سکتا، مجھے تو یہ سمجھ نہیں آ رہی کہ آپ کو اس رشتے میں کیا نظر آ رہا ہے۔" وہ ذرا زچ ہو کر بولا، آزاد گھومنے والے اسفند کو شادی قید ہی لگ رہی تھی۔

"دیکھو اسفند تم میرے اکلوتے بیٹے ہو، میں کوئی بھی ایلیٹ کلاس کی لڑکی بطور تمہاری بیوی نہیں لا سکتا، ایلیٹ کلاس کی لڑکیاں گھر نہیں بسا سکتیں، میں اسی لیے تمہارے لئے کوئی مڈل کلاس لڑکی لانا چاہ رہا ہوں، کیونکہ یہ لڑکیاں گھر بہت اچھے سے بساتی ہیں۔ سمجھوتے کر لیتی ہیں۔ جھک جاتی ہیں۔" وہ اسے نرمی سے سمجھا رہے تھے۔

"ہم کل جائیں گے ان شاءاللہ اور شادی کی تاریخ لیکر ہی آئیں گے، تم بس تب تک تھوڑا سا خود کو کنٹرول کرو۔" وہ پھر اسے پچکار رہے تھے ۔

"اوکے ڈیڈ آپ بے فکر رہیں۔۔ میں اب جا رہا ہوں۔" وہ گاڑی کی چابی اور موبائل اٹھاتا اٹھ کھڑا ہوا اور نکلتا چلا گیا۔

☆☆☆☆☆

"میں نے کبھی سوچا نہیں تھا کہ زندگی اتنی حسین بھی ہو گی۔" وہ اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیکر مسکرا کر بولا۔ مریم نے مسکرا کر اس کا چہرہ دیکھا۔ وہ دونوں اس وقت مریم کی فرمائش پر ہوٹل کے گارڈن میں چہل قدمی کر رہے تھے۔ ورنہ سردی اور اندھیرے کے باعث عمیر باہر جانے کو راضی نہیں تھا۔ ان کی شادی کو تین ہفتے ہو چکے تھے اور پچھلے ایک ہفتے سے وہ سوات میں گھوم رہے تھے۔

"کسی نے صحیح کہا ہے، شادی کے ابتدائی دنوں میں ہی انجوائے کر سکتا ہے بندہ، ورنہ بعد میں کہاں موقع ملتا ہے۔ اب منڈے سے میری پھر سے وہی روٹین شروع ہونے والی ہے۔" عمیر نے مصنوعی آہ بھر کر کہا۔

"ہاں یہ تو ہے۔۔ میری خود کی شفٹ سٹارٹ ہو جائے گی منڈے سے۔۔ اس سے زیادہ چھٹیاں میں افورڈ نہیں کر سکتی۔" وہ دونوں چلتے چلتے اب ہوٹل کے اندرونی حصے کی طرف بڑھ رہے تھے۔

"کیا مطلب تمہاری شفٹ؟۔" عمیر نے کارڈ سے کمرے کا دروازہ ان لاک کرتے ہوئے ناسمجھی سے اس کی طرف دیکھا۔

"ارے بھئی ہاسپٹل نہیں جانا کیا میں نے۔" مریم نے اپنا مفلر اتارتے ہوئے اسے مطلع کیا۔ وہ ہنوز کمرے کے وسط میں ناسمجھ تاثرات چہرے پر سجائے کھڑا تھا۔

"مطلب تم اب پھر سے ہاسپٹل جایا کرو گی؟" اس کے سوال پر مریم کے لوشن لگاتے ہاتھ رکے۔

"کیا مطلب پھر سے؟ میری جاب تو آل ریڈی تھی نا۔" اس نے ناسمجھی سے اس کی طرف دیکھا۔

"لیکن اب تو شادی ہو گئی نا۔۔" عمیر مزید بولا۔

"تو۔۔۔؟" اس نے الجھن سے عمیر کی طرف دیکھا۔

"آئی مین اب تمہیں جاب کی کیا ضرورت ہے۔۔اور شادی سے پہلے تم نے مجھے نہیں بتایا تھا کہ تم جاب جاری رکھو گی۔" وہ اب بیڈ پر بیٹھ کر جوتے اتار رہا تھا۔

"ضرورت مطلب؟ شادی سے پہلے بھی مجھے جاب کی ضرورت نہیں تھی۔آپ کو پتہ ہے میں جاب ضرورت کے تحت نہیں بلکہ شوق سے کر رہی ہوں۔۔اور بتانے کی کیا ضرورت ہے آپ کو نسا غیر تھے۔آپ تو جانتے ہیں کہ مجھے شوق تھا اس پیشے کا۔اور میں نے اتنی محنت سے اس لئے تو ڈگری نہیں لی نا کہ شادی کے بعد اس کو الماری میں سجا دوں۔" وہ مزید بولی۔ عمیر کی باتیں اور تاثرات اسے الجھا رہے تھے۔ عمیر اس کا تایا زاد تھا اور اسے بالکل علم نہیں تھا کہ عمیر کو اس کی جاب کرنے سے مسئلہ ہو گا۔

"لیکن یار پہلے بات اور تھی۔ تمہیں کسی چیز کی کمی نہیں ہے تو پھر تم کیوں جاب جاری رکھنا چاہتی ہو؟" وہ قریب آ کر اس کے کندھے تھام کر بولا۔

"یعنی آپ کو لگتا ہے کہ میں ڈاکٹر اس لئے بنی ہوں تاکہ کما سکوں۔ کیا ہو گیا ہے عمیر۔آج کل ان پڑھ، پڑھے لکھوں سے زیادہ کما رہے ہیں۔ میں نے پیسوں کے لیے اتنی محنت نہیں کی۔ مجھے شوق تھا ڈاکٹر بننے کا۔" وہ اس کے ہاتھ کندھوں سے ہٹا کر بولی۔

"مگر میں نہیں چاہتا کہ تم اب جاب کرو۔اینڈ دیٹس اٹ۔" اس کے ہاتھ جھٹکنے کی حرکت کو نظر انداز کرتا وہ قطعیت سے بولا۔

"مگر کیوں عمیر؟ کیا مسئلہ ہے میری جاب میں۔ اتنی کوئی غیر اخلاقی جاب بھی نہیں ہے جس پر آپ کو اعتراض ہو۔ تو پھر کیا وجہ ہے؟؟" وہ الجھن زدہ تاثرات لئے اس سے پوچھ رہی تھی۔

"مجھے مسئلہ تمہاری جاب سے نہیں، تمہارے جاب کرنے سے ہے۔ دیکھو کل کو ہمارے بچے ہوں گے۔ تو تم کیسے مینج کرو گی۔ میں اپنے بچوں کو آیا کے حوالے نہیں کر سکتا۔" وہ نرم لہجے میں اسے سمجھانے لگا۔ "اور ویسے بھی میں زندگی کا ہر پل تمہیں اپنی آنکھوں کے سامنے دیکھنا چاہتا ہوں۔۔" اس کے گال پر ہاتھ رکھے وہ لہجے میں محبت سمو کر بولا۔

"عمیر میں نے اس لئے اتنی محنت نہیں کی کہ اپنی ڈاکٹری کی ڈگری کو کچن اور گھر کے کاموں میں لگا دوں۔ میرے نزدیک وہ لوگ سب سے زیادہ جاہل ہیں جو علم ہونے کے باوجود اسے عمل میں نہیں لاتے۔ میری اور میرے گھر والوں کی بھی محنت ہے اس ڈگری کے حصول میں۔ میں اتنے لوگوں کی محنت کو ضائع نہیں کر سکتی اور۔۔ ویسے بھی ابھی کونسا ہمارے بچے ہو گئے ہیں۔ جب ہوں گے میں تب بھی مینج کر لوں گی۔" وہ مضبوط لہجے میں بولتی اس کے سامنے سے ہٹنے لگی۔

"تو تم میری بات نہیں مانو گی؟؟" عمیر اس کا بازو پکڑ کر بولا۔

"آپ بات ہی ایسی کر رہے ہیں کہ م۔۔۔"اس کی بات مکمل ہونے سے پہلے ہی وہ اسے چھوڑ کر کمرے سے نکلتا چلا گیا۔ مریم نے سر جھٹکا۔۔ فلحال اس کا بھی موڈ اسے منانے کا نہیں تھا۔ وہ ابھی بیڈ پر بیٹھی تھی جب اس کا فون بجنے لگا۔ ملیحہ کالنگ لکھا دیکھ کر اس نے کال اٹھالی۔

"السلام علیکم! آپی کیسی ہیں؟"اس نے لہجے کو ہشاش رکھنے کی کوشش کی۔ مگر وہ بھی اس کی بڑی بہن تھی اس کے چڑچڑے پن کو بھانپ گئی ۔

"وعلیکم السلام! ٹھیک ہوں مگر تمہیں کیا ہوا ہے؟"اس کے پوچھنے پر مریم نے ساری بات اس کے گوش گزار کی۔

"یار تم ایک کام کرو تایا ابا سے بات کرو۔۔وہ سمجھائیں گے اسے۔"ملیحہ نے اسے مشورہ دیا۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

"نہیں یار۔ وہ میرا شوہر ہے۔اس سے جو بات منوانی ہے میں نے خود منوانی ہے نا کہ کسی تیسرے کی سفارش سے۔اور ویسے بھی اچھا ہی ہوا کہ وہ کمرے سے چلے گئے، کمرے میں رہتے تو ہماری بحث ہی ہوتی رہتی۔"وہ نفی کرتے ہوئے بولی۔ ملیحہ نے مزید ایک دو باتیں کر کے کال بند کر دی۔ وہ اب بیڈ کراؤن سے ٹیک لگائے عمیر کے بارے میں سوچ رہی تھی۔ وہ اتنی سردی میں سلیپرز میں ہی باہر نکل گیا تھا۔اس کا فون

بھی کمرے میں ہی تھا۔ کچھ سوچ کر وہ شال لیکر کمرے سے نکلی۔ ارادہ اسے ڈھونڈنے کا تھا۔ اسے یقین تھا وہ ہوٹل میں ہی ہو گا۔ کیونکہ گاڑی کی چابی کمرے میں ہی تھی۔

"عمیر۔ "اسے گارڈن میں بینچ پر بیٹھے دیکھ وہ آہستگی سے اس کے ساتھ آکر بیٹھ گئی۔ وہ ہنوز چپ تھا۔ "اندر چلیں عمیر باہر سردی ہو رہی ہے۔ "اس کے کندھے پہ ہاتھ رکھتے وہ نرمی سے بولی، عمیر کی چپ نہ ٹوٹی۔

"عمیر۔ "وہ دھیرے سے سر اس کے کندھے سے ٹکا گئی۔

"جب تم نے میری بات ہی نہیں ماننی تو میرے ہونے نا ہونے سے کیا فرق پڑتا ہے۔ "وہ ناراض سے لہجے میں بولا تو مریم کے دل کو کچھ ہوا، وہ اس کا شوہر تھا، ان کی شادی کو ابھی کچھ عرصہ ہی ہوا تھا اور وہ اسے ناراض کر بیٹھی تھی۔

"اچھا ٹھیک ہے جیسا آپ کہیں گے ویسا ہی ہو گا، بس اندر چلیں۔ "وہ اس کا بازو تھامتے ہوئے بولی وہ وہ اس کی طرف رخ کر گیا، آنکھیں چمکنے لگیں۔

"آئی لو یو مریم۔ "وہ اس کی پیشانی چوم کر بولا، اور یہیں مریم پگھل گئی۔

اپنے سامنے سفید کوٹ میں موجود لڑکی کے ہلتے لبوں کو دیکھ کر وہ ماضی میں پہنچی تھی۔ ہنی مون سے واپس آنے کے بعد اس نے ایک ہفتہ مزید چھٹیاں لی تھیں، اس کا خیال تھا کہ اس ایک ہفتے میں وہ عمیر کو رام کر لے گی، لیکن پھر اسے پتہ چلا کہ وہ پریگننٹ ہے۔ ساس کے پاؤں ہی زمین پر نہ ٹکتے تھے، عمیر نے بھی کہہ دیا کہ "اس

حالت میں اسے ڈیوٹی نہیں کرنی چاہیے "اور مریم اور اس کے باپ کی محنت، دولت سب اس جملے کی نظر ہو گیا۔

"مسز عمیر آپ سن رہی ہیں؟؟" اپنے سامنے موجود چائلڈ اسپیشلسٹ کا ہلتا ہاتھ دیکھ کر وہ حال میں لوٹی۔

"سوری، وہ میں۔۔ بس ایسے ہی، آپ پلیز رپیٹ کر دیں۔۔ ایم سوری۔۔" وہ شرمندہ سی ہو گئی۔

"اٹس اوکے، میں بس یہ کہہ رہی ہوں کہ منہا کو انجیکشن لگ گیا ہے، چونکہ یہ ویکسین ہے تو کافی پین ہو گا اسے، آپ برف سے ٹکور کر دیجیے گا، ہو سکتا ہے بخار بھی ہو تو یہ سیرپ بھی دے دیجئے گا۔" ڈاکٹر نے چٹ اس کی طرف بڑھا کر کہا جسے معید صاحب نے تھام لیا۔

Clubb of Quality Content

"شکریہ ڈاکٹر!" انہوں نے چٹ فولڈ کر کے جیب میں رکھی اور مریم کو اٹھنے کا اشارہ کیا، اس نے سوتی ہوئی منہا کو کندھے سے لگایا اور اٹھ کھڑی ہوئی۔

"حد ہوتی ہے لاپرواہی کی، عمیر کو اتنی شرم نہیں کہ اس کی تین ماہ کی بچی کی ویکسی نیشن ہے، اگر وہ چھٹی آ ہی جاتا ہے تو گھر بیٹھ جایا کرے۔" مریم نے گاڑی میں بیٹھتے ایک نظر باپ کا غصے سے سرخ چہرہ دیکھا۔

"بس ابو آپ کو تو پتہ ہے کافی عرصے بعد چھٹی پہ آتے ہیں تو دوستوں سے ملنے نکل پڑتے ہیں۔" وہ ذرا شرمندگی سے بولی، عمیر آرمی میں تھا۔ معید صاحب نے ایک نظر اسے دیکھا، رف اسکن، رف بال، ملگجا سا حلیہ، پیروں میں چپل۔ یہ پانچ سال پہلے والی مریم تو نہ تھی۔ وہ مریم تو خاندان کی سب سے خوبصورت لڑکی تھی۔ چمکتے چہرے، سلکی بالوں والی۔۔

"دوست اولاد سے زیادہ ضروری ہیں اس کے لئے؟ آج میں دو ٹوک بات کر ہی لیتا ہوں اس سے، اگر میں تمہیں نہ دیکھتا تو تم نجانے کتنی دیر بچی کو دھوپ میں لئے کھڑی رکشے کا انتظار کرتی رہتی۔۔" وہ ازحد خفگی سے بولے۔ مریم کے پاس کہنے کو کچھ نہ تھا۔

"سعد کہاں ہے؟؟" انہوں نے اسے چپ دیکھ کر سوال کیا۔

"تائی امی کے پاس ہے، ضد کر رہا تھا کہ ساتھ جاؤں گا، میں زبردستی اسے تائی امی کے پاس چھوڑ کر آئی ہوں۔" اس نے تفصیل بتائی تو انہوں نے سر اثبات میں ہلایا۔

"بس ابو آپ غصہ چھوڑیں، آئیں میں چائے بناتی ہوں۔" گاری گیٹ پر رکی تو وہ صلح جو لہجے میں بولی، عمیر کا یہ رویہ بہت پرانا تھا۔ وہ جب گھر آتا تو یونہی سارا سارا دن باہر ہی رہتا، کئی دفعہ تو رات کو بھی باہر ہی رہتا۔

"نہیں اب آفس جاؤں گا۔ تم اس کا خیال رکھنا اور اپنا بھی۔ حالت دیکھو ذرا اپنی۔ کچھ کھایا پیا کرو، باقی سب کی فکر کے ساتھ اپنا بھی خیال رکھا کرو۔" وہ منہا کا سر چومتے اسے سرزنش کرتے ہوئے بولے۔

مریم کی آنکھیں نم ہو گئیں۔ یہ شخص وہ واحد انسان تھا جو اس کی بیرونی حالت کے ساتھ ساتھ اندرونی حالت بھی سمجھ جاتا تھا۔ جو اس کی تکلیفوں کا راز داں تھا، جسے مریم پانچ سال پہلے تکلیف دے گئی تھی۔

"او کے ابو اللہ حافظ۔" اس نے منہا کو کندھے سے لگایا، ہینڈ بیگ پکڑا اور دروازہ کھول کر باہر آ گئی۔ اس کے اندر جاتے ہی معید صاحب نے سپاٹ تاثرات کے ساتھ گاڑی سٹارٹ کی اور چلے گئے۔۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

☆☆☆☆☆

کچھ ہی دیر میں وہ شاپنگ مال پہنچ چکے تھے۔ ان کا ارادہ پہلے طیبہ کی شاپنگ کرنے کا تھا، اسفند اسے لے کر ایک شاپ میں داخل ہوا جب اسے پیچھے سے کسی کی آواز سنائی دی۔ اس کے پلٹنے کے ساتھ طیبہ بھی پلٹی۔ دوسری طرف اسفند کی ہی عمر کا ایک لڑکا جس نے ٹی شرٹ کے ساتھ شارٹس زیب تن کر رکھی تھی اور اس کے ساتھ ایک لڑکی جس نے سلیولس ٹی شرٹ کے ساتھ ایک چست ٹخنوں سے کافی اونچا پاجامہ پہن رکھا

تھا۔ پیروں میں سنیکرز اور بالوں کی پونی ٹیل بنا رکھی تھی۔ طیبہ کو لڑکے کے پہناوے سے اچنبھا سا ہوا۔ وہ ایک پبلک پلیس میں شارٹس پہن کر آنکلا تھا۔

"ہیلو ینگ مین۔ یہاں کیسے آنا ہوا اور یہ ساتھ کون ہے؟" وہ دونوں لڑکی لڑکا باری باری اسفند سے بغلگیر ہوئے جبکہ طیبہ ایک طرف کھڑی ان تینوں کو دیکھ رہی تھی۔

"میٹ ہر، شی از مائی فیانسے۔ ہم یہاں شادی کی شاپنگ کرنے آئے تھے۔" اسفند نے طیبہ کو ہاتھ سے تھام کر برابر کھڑا کیا۔ اس کے ایسا کہنے پر اس لڑکے نے پہلے حیرت سے اسے دیکھا اور پھر ایک موٹی سی گالی دیکر مبارک باد دی۔

"واہ بھئی۔ یہ ٹیسٹ کب بدلہ تم نے؟" اس لڑکی نے باقاعدہ طیبہ کی طرف اشارہ کر کے کہا۔ وہ تینوں قہقہہ لگا اٹھے، طیبہ کو ایک دم اپنا آپ ان فٹ سا محسوس ہوا۔

"آؤ میں تمہیں ان سے ملواؤں۔ یہ لیزا ہے اور یہ احمد ہے۔ دونوں میاں بیوی ہیں جبکہ میرے یونیورسٹی کے دوست ہیں اور۔۔۔ یہ طیبہ ہے۔" اس کے تعارف پر احمد نامی لڑکے نے اپنا ہاتھ طیبہ کی طرف مصافحے کے لئے بڑھایا جسے نظر انداز کرتے طیبہ نے وعلیکم السلام کہنے پر اکتفا کیا۔

"اسفی یور فیانسے از ٹو روڈ۔" لیزا کو شاید طیبہ کی حرکت پسند نہیں آئی تھی اس لئے وہ منہ بسور کر بولی۔

"نو ایکچوئلی شی از ٹو شائے۔" اسفند نے ایک نظر طیبہ کے چہرے کو دیکھ کر کہا۔

"اوہ یار۔ شائے لڑکیوں کی تو کیا ہی بات ہے۔" احمد ایک دم بھاری سے لہجے میں کمینگی سے بولا تو وہ تینوں پھر قہقہہ لگا اٹھے۔ طیبہ کو وہ دونوں میاں بیوی بالکل اچھے نہیں لگے تھے۔

"ویسے ہم دونوں بھی شاپنگ کرنے ہی آئے تھے۔ کیا خیال ہے ایک دوسرے کو کمپنی نہ دی جائے۔؟" لیزا کی آفر کو اسفند نے جھٹ قبول کیا اور وہ تینوں ایک دکان کا دروازہ کھول کر اندر گھس گئے۔ طیبہ بھی بے دلی سے ان کی پیچھے ہی اندر داخل ہوئی۔

"یہ کیسا لگے گا احمد؟؟" لیزا نے ایک انڈین سٹائل ڈیپ ریڈ کلر کا لہنگا احمد کے سامنے کیا۔

"بہت اچھا لگے گا ان پر۔ ان کا کلر بھی فیئر ہے۔۔ پرفیکٹ چوائس ڈارلنگ۔" وہ ایک دم اس کی طرف جھک کر بولا۔ ان کی حرکت پر طیبہ نے شرم سے رخ بدلہ۔

"اوہ یو ناٹی بوائے۔۔ بیہیو ڈارلنگ۔" وہ اسے مصنوعی سی سرزنش کرتی ہوئی اسفند کی طرف پلٹی۔

"تم بتاؤ اسفند کیسا لگا؟" اب کی بار اس نے وہ لہنگا طیبہ کے ساتھ لگا کر اسفند کو مخاطب کیا۔ لہنگا بے شک بہت پیارا اور خوبصورت تھا۔

"اچھا ہے۔" اسفند نے ایک نظر طیبہ کو دیکھ کر کہا۔

"ڈن کریں پھر یہ؟؟" وہ گھوم کر ان دونوں سے بولی۔

"مجھے اچھا نہیں لگا یہ، ہم کوئی اور دیکھ لیتے ہیں۔۔"طیبہ نے ایک دم کہا تو وہ تینوں اس کی طرف متوجہ ہوئے۔

"لیکن کیوں؟ اتنا پیارا تو ہے۔"لیزا نے ذرا خفگی سے اس لہنگے کو دیکھا۔

"جی بالکل بہت پیارا ہے لیکن میں نے کبھی ایسی ڈریسنگ نہیں کی۔"اس کا اشارہ بیک لیس کرتی کی طرف تھا۔

"کوئی بات نہیں یار! شادی پر بہت سی چیزیں بندہ فرسٹ ٹائم ایکسپیرنس کرتا ہے۔"احمد کی بات پر لیزا قہقہہ لگا اٹھی۔اور یہیں طیبہ کا ضبط ختم ہوا۔

"جسٹ شٹ اپ مسٹر!"وہ ایک دم درشتگی سے چلائی، لیزا اور احمد کا قہقہہ ایک دم رکا۔اسفند بھی اسے پریشان نظروں سے دیکھنے لگا۔

"ریلیکس ہنی، وہ بس مزاق کر رہا تھا۔"لیزا فوراً ذرا لگاوٹ سے بولی۔

"میرا اور آپ کا کوئی مذاق نہیں ہے مسٹر۔"وہ انگلی اٹھا کر احمد کی طرف دیکھ کر سخت انداز میں بولی اور شاپ سے باہر نکل گئی۔وہ تینوں حیرانگی سے ایک دوسرے کو دیکھنے لگے اور پھر اسفند کو ہی ہوش آیا، وہ فوراً اس کے پیچھے بھاگا۔

☆☆☆☆☆

تبھی مین ڈور کھلنے کی آواز آئی جو نفاست سے کولڈ ڈرنک شیشے کے گلاس میں ڈالتے سعد کے کانوں میں نہ پڑی اور منہا ابھی بھی اس ذائقے کو ہی پہنچاننے کی کوشش کر رہی

تھی۔ یہ آواز مریم کے کاموں میں بھی بخوبی پہنچی تھی،اس نے جیسے تیسے کر کے کپڑے پہنے۔اس کا دل ایک دم تیزی سے دھڑکنے لگا۔اس کے دونوں بچے باہر اکیلے تھے اور اپارٹمنٹ میں نجانے "کون" گھس آیا تھا۔اسے کمرے میں قدموں کی آہٹ اور بولنے کی آواز صاف سنائی دے رہی تھی۔دوپٹہ ہاتھ میں پکڑتے ہی اس نے جھٹ سے دروازہ کھولا اور باہر نکل آئی، مگر سامنے کا منظر دیکھ کر اس کے پیروں تلے سے زمین نکل گئی۔۔ وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے سامنے موجود منظر کو دیکھ رہی تھی اور یقین کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔سامنے اس کی دنیا تھی۔۔جو اجڑ چکی تھی۔وہ اس وقت تہی داماں ہو چکی تھی۔

☆☆☆☆☆

"پتہ نہیں عمر میں اس وقت کیا محسوس کرنا چاہیے۔۔مجھے خوش ہونا چاہیے جیسے ہر لڑکی اپنی شادی پر خوش ہوتی ہے لیکن نہ ہی میں ایک عام لڑکی ہوں اور نہ ہی میں خوش ہوں۔" بات کے اختتام پر اس کی آواز بھاری ہو گئی۔آنسو تیزی سے اس کے گالوں پہ بہنے لگے۔۔

"میں ایک نارمل لڑکی نہیں ہوں۔مجھے شادی سے خوشی نہیں ہو رہی، مجھے خوف آ رہا ہے۔مجھے لگ رہا ہے میں اپنا آپ ایک حسن احمد کے حوالے کرنے جا رہی ہوں۔" آنسو اب ٹپ ٹپ اس کے ہاتھوں پہ گرنے لگے تھے۔عمر ساکت سا اسے دیکھ رہا تھا۔یہ

وہ رملہ نہیں تھی جو اس کے سامنے ہوتی تھی، وہ ایک بڑی بہن تھی، ایک ذمہ دار بڑی بہن جو کبھی اس کے سامنے روئی نہیں تھی۔ یہ رملہ حسن تو ٹوٹی بکھری سی تھی۔

"مجھے امی کی سسکیاں، چیخیں سنائی دیتی ہیں رات کو عمر، ان کے جسم کے نیل دکھائی دیتے ہیں۔۔ مجھے لگتا ہے کہ کوئی مجھے بھی ایسے ہی مار رہا ہے۔۔" اس نے دونوں ہاتھوں سے اپنا چہرا چھپالیا۔ رونے میں اتنی شدت تھی کہ اس سے بولا نہیں جا رہا تھا۔ عمر کو اپنی حلق میں نمکین سا پانی محسوس ہونے لگا۔

"میں ایک traumatized لڑکی ہوں عمر۔۔ اینڈ یو نو واٹ۔۔

Traumas never heal .. they haunt you like a nightmare...they never heal..."

عمر نے آگے بڑھ کر اس کا بازو پکڑا اور اسے نرمی سے سینے سے لگا لیا۔ کندھا ملتے ہی رملہ کے آنسوؤں میں شدت آگئی۔

"مجھے وہ لمحہ نہیں بھولتا عمر جب ابو نے بس تین لفظ کہہ کر ہم تینوں کو اپنی زندگی سے بے دخل کر دیا۔۔ ہماری امی نے ان گزرے سالوں میں کیا نہیں سہا تھا۔ ان کی ماریں۔۔ ان کی گالیاں۔۔ ان کی تمام زیادتیاں برداشت کی تھیں۔۔ اور ابو نے بس تین لفظ بولے۔۔" وہ ہولے ہولے کانپنے لگی تھی۔۔ عمر نے نرمی سے اس کے سر پر ہاتھ پھیرا۔

"بس تین لفظوں کا محتاج ہوتا ہے یہ رشتہ۔۔ تین لفظ بول کر کسی کو قبول کیا جاتا ہے اور تین لفظ بول کر ہی کسی کو خود پر حرام کر لیا جاتا ہے۔۔ اتنا کمزور ہوتا ہے کیا یہ رشتہ؟؟ "وہ روتے ہوئے اس سے سوال کر رہی تھی، عمر نے اسے نرمی سے خود سے الگ کیا، اس کا پورا چہرہ سرخ ہو چکا تھا۔ آنسو اس کے سارے چہرے پر پھیلے ہوئے تھے۔

"آج مجھے اس شخص کی سب سے زیادہ ضرورت ہے۔ اس موقعے پر ہر لڑکی کو ہی ہوتی ہے۔ مگر مجھے اس شخص کو یاد کرنے سے بھی تکلیف ہو رہی ہے۔" روتے روتے اس کی ہچکی بندھ چکی تھی، عمر نے اسے پھر گلے سے لگا لیا۔ کچھ دیر بعد وہ الگ ہوا، نرمی سے اس کا چہرہ صاف کیا۔ وہ خود بھی اپنی نم آنکھیں صاف کر رہا تھا۔

اسے لگا تھا رملہ ٹھیک ہے لیکن وہ غلط تھا۔۔ رملہ ذہنی بیمار تھی۔ اسے مردوں سے خوف آتا تھا۔۔ اس نے اپنی زندگی کا ابتدائی دور مرد کی بہت بری قسم دیکھ کر گزارا تھا۔ اور بچپن کی یادیں بچپن تک پیچھا نہیں چھوڑتیں۔ اسے اس وقت تسلی چاہیے تھی، کوئی ایسی ٹھوس تسلی جو یہ ثابت کر دے کہ حسیب، حسن احمد نہیں بنے گا۔ اب جبکہ کوئی تسلی نہیں تھی تو ایسے میں شادی کر دینا اس کی ذہنی حالت کے لئے ٹھیک نہیں تھا، وہ بھی تب جب اس کا ہونے والا شوہر اس بات سے ناواقف تھا۔

☆☆☆☆☆

یہ ہماری سوسائٹی کا المیہ ہے، ہماری بچیوں نے چھوٹی چھوٹی عمر میں ٹرامازدیکھے ہوتے ہیں، وہ چیزیں انہیں کبھی نہیں بھولتیں، شادی کرنے سے پہلے ہم کوشش کرتے ہیں کہ ہماری بیٹی جسمانی طور پر مکمل ٹھیک ہو۔ لیکن ہم نے کبھی اس کی ذہنی حالت کے بارے میں جاننے کی کوشش ہی نہیں کی۔ ذہنی بیماریاں اور ان کی علاج کے طریقے بدقسمتی سے پاکستان میں ابھی عام نہیں ہو سکے۔ ہماری بچیاں ساری عمر ایک ٹرامیٹک زندگی گزار دیتی ہیں۔ پہلے اپنے گھر کے ٹرامازپھر ہم انہیں رخصت کر دیتے ہیں کیونکہ ہمارے نزدیک جہیز اور خاندان میں ایک نام زیادہ ضروری ہے۔۔ جہیز بھی فلاں نے اچھا دیا، اپنی بچی کی شادی بھی وقت پر کر دی۔۔ بھئی بڑی فرمانبردار اولاد ہے اس کی۔ اب اولاد کی ذہنی حالت بے شک تباہی کے آخری دہانے پر ہو۔ اب جہاں شادی ہو گئی ہے وہ شخص اس کی جسم و جاں کا مالک ہے۔ شادی بے شک اس کی ایک مرد سے ہوئی ہے لیکن خیال اس نے اس مرد کے پورے ٹبر کا رکھنا ہے۔ کیا نندیں، جیٹھانیاں، دیورانیاں، ساس، سسر۔ سب کا خیال رکھنا ہے۔۔ اور میاں حضور پھر بھی ان سے خوش نہیں ہوتے۔ اب شادی کے چند ماہ بعد آ گیا بچے کا پریشر۔ اب ان دونوں ماں باپ کو پتہ ہی نہیں کہ پیرنٹنگ کس چڑیا کا نام ہے۔ بچی اپنے ٹرامازسے گھل رہی ہے۔ شوہر اپنی جاب میں لگا ہوا ہے۔ اب جب بچہ ہو جاتا ہے اور تھوڑا بڑا ہوتا ہے تو اب ماں کو اپنی فرسٹریشن نکالنے کا ایک ذریعہ مل گیا ہے۔ وہ ساس، سسر، جیٹھانی، دیورانی، شوہر سب کی

فرسٹریشن اس بچے پر نکالے گی۔۔اب اگر بیٹا ہے تو وہ ماں کی چخ چخ سے تنگ آ کر گھر سے نکل جائے گا اور اگر بیٹی ہے تو اس کے پاس سوائے اس سب کو برداشت کرنے کہ کوئی چارہ نہیں۔اب اس صورت میں ایسی بچیاں یا تو بیٹوں کی طرح اپنی توجہ باہر کی دنیا میں لگا لیتی ہیں یا پھر ہمہ وقت ڈری سہمی سی رہتی ہیں۔۔اور بھئی یہ لیں وہی ٹرامیٹک لائف سرکل تیار ہو گیا۔

☆☆☆☆☆

سامنے اس کا شوہر جس کی رفاقت میں اس نے پانچ سال گزارے تھے،ایک لڑکی کو باہوں میں لئے کھڑا تھا۔ہاں وہ عمیر ہی تھا۔اس لڑکی کے اتنے نزدیک۔اس کی کمر پر ہاتھ رکھے۔انہیں فوجی کٹ بالوں میں وہ لڑکی ہاتھ پھیر رہی تھی۔اور وہ مسکرا کر اس کا ہاتھ چوم رہا تھا۔اسے چند پل لگے تھے ہوش میں آنے میں،آگے بڑھ کر اس نے منہا کو اٹھایا۔شور کی آواز پر عمیر ہوش میں آیا اور مریم کو وہاں دیکھ کر عمیر کے قدموں تلے سے بھی زمین نکل گئی تھی۔

☆☆☆☆☆

رات کو بیڈ پر لیٹی وہ سارے دن کو دہرا رہی تھی،ان دونوں میاں بیوی کا رویہ اور لہجہ طیبہ کے لئے ناقابل قبول تھا،ان دونوں کے کہے گئے جملے ابھی بھی اس کے دماغ میں گونج رہے تھے۔

"انسان اپنی صحبت سے پہچانا جاتا ہے۔۔" یہ بات اسے بار بار ٹریگر کر رہی تھی۔ اگر یہ حقیقت تھی تو اسفند کی حقیقت اس کے لئے نا قابل قبول تھی۔ کچھ سوچ کر اس نے ہاتھ بڑھا کر سائڈ ٹیبل سے فون اٹھایا اور دھیرے سے فنگر پرنٹ لگا کر کھولا۔ وال پیپر پر اس کی ہی تصویر لگی تھی۔ وہ چند دن پہلے ایک ریڈ پر گئی تھی، کچھ دکانیں تھیں جو کہ غیر قانونی طریقے سے بنائی گئی تھیں وہ انہیں سیل کرنے گئی تھی۔ سفید چادر لئے، آنکھوں پر سیاہ سن گلاسسز لگائے وہ ہاتھ سے کسی طرف اشارہ کر رہی تھی۔ جبکہ عقب میں پولیس اہلکار کھڑے تھے۔ یہ تصویر ایک اخباری نمائندے نے بنائی تھی۔ چند پل اس تصویر کو دیکھنے کے بعد اس نے کال لاگ اوپن کی اور اس کے مخروطی انگلیاں دھیرے دھیرے مگر پختگی سے کسی کا نمبر ملانے لگیں۔ نمبر لکھنے کے بعد اس نے چند پل سوچا، پھر اٹھ بیٹھی، ایک بھاری سانس خارج کرتے اس نے سینے کا بوجھ کم کیا اور کال کا بٹن دبا دیا،، کال جا رہی تھی۔۔ اور کچھ دیر بعد دوسری طرف سے کسی مرد کی آواز سنائی دی۔

☆☆☆☆☆

اس نے ساری رات آنکھوں میں کاٹی تھی۔ اپنی پچھلی پانچ سالہ زندگی کو یاد کرتے۔ عمیر سے اس کی شادی محبت کی شادی نہیں تھی۔ یہ ارینج میرج تھی۔ وہ ساری رات اپنی وہ خطا، اپنی بھول ڈھونڈتی رہی تھی جس کی بنا پر عمیر کسی اور عورت کی طرف راغب ہوا

تھا۔ عمیر کے شادی سے پہلے افئیر تھے۔ مگر وہ تو سب مردوں کے ہوتے ہیں۔ سبھی عورتوں کی طرح اس نے اس بات کو نارمل ہی سمجھا تھا۔ اور سب کی طرح اسے بھی یہی لگا تھا کہ گھر داری میں پڑنے کے بعد عمیر اپنے لچھن بھول جائے گا۔۔ مگر وہ شاید یہ نہیں جانتی تھی کہ عادتیں اتنی جلدی پیچھا نہیں چھوڑتیں۔ عمیر نے شادی کا ایک سال سکون سے گزارا تھا۔ اور ایک سال کے بعد ہی وہ اپنی پرانی روش پر چل نکلا تھا۔ اسے مریم سے چڑ ہونے لگی تھی۔ دھیرے دھیرے وہ مریم سے دور ہوتا گیا بعض دفعہ وہ چھٹی پر بھی گھر نہ آتا اگر گھر آتا تو اس کی اور مریم کی لازمی لڑائی ہوتی۔ ظاہر سی بات ہے وہ گھر پہ رہ کر مریم کی موجودگی میں اپنی گرلفرینڈ سے تو بات کرنے سے رہا۔ ساری چھٹی وہ یونہی یاروں دوستوں کے ساتھ گھوم پھر کر ختم کر دیتا۔ یہ دوریاں تب مزید بڑھیں جب اس کی زندگی میں سویرا آئی۔

Clubb of Quality Content

☆☆☆☆☆

ہم سب بیٹوں کی تربیت میں یہیں غلطی کرتے ہیں۔ ہمارے معاشرے میں مرد کو محبت کرنے کا حق اور اجازت حاصل ہے۔ عورت کے پاس نہ یہ حق ہے نہ اسے اجازت ہے۔ کوئی لڑکا محبت کی شادی کرے تو ہم بہت بڑھا چڑھا کر بیان کرتے ہیں مگر جب بات لڑکی کی آئے تو یہی محبت شرم کا مقام بن جاتی ہے۔ شادی سے پہلے لڑکے کے افئیر کو باعثِ فخر سمجھا جاتا ہے اور لڑکی کے افئیر کو شرمندگی۔ یا تو ہم بیٹوں کی تربیت میں پیچھے

رہ گئے ہیں۔ یا لڑکوں کی کوئی عزت نہیں۔ ورنہ یہ دوقومی نظریہ میری سمجھ سے بالاتر ہے۔

ooooooo

"تایا ابو میں بیٹھی ہوں۔ اس نے جو بات کرنی ہے کر لے۔ بلکہ مجھے اس سے کچھ بات کرنی ہے۔ اس معاملے کو اب واقعی سلجھا لینا چاہیے۔" وہ بولی تو لہجے میں سرد پن تھا۔۔ عمیر ٹھٹک گیا۔۔ اس کے لہجے میں موجود اجنبیت اور ایسی بے ادبی اس نے کبھی پہلے محسوس نہیں کی تھی۔

"تم نے اس سے شادی کب کی۔۔؟" وہ ایک دم عمیر کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بولی۔

"ڈیڑھ سال ہونے والا ہے تقریباً۔" وہ اٹک کر بولا۔

"اور اسے کب سے جانتے ہو تم؟" لاؤنج میں موجود سبھی لوگ خاموشی سے ان دونوں کو سن رہے تھے

"تقریباً دو سال سے۔" وہ نگاہیں جھکا کر بولا۔ لیکن لہجہ شرمندگی لئے نہ تھا۔

"اور صرف ایک آخری سوال۔" وہ بڑے ضبط سے بولی

"میں نے ہمیشہ تمہاری ہر ضرورت پوری کی۔ جسمانی، دنیاوی۔ ہر ضرورت۔ تمہاری اولاد پیدا کی۔ تو ایسی کون سی چیز تھی جو تمہیں دوسری عورتوں کے

پاس لے گئی؟"اس کی آواز بھاری ہو گئی تھی مگر آنکھیں خشک تھیں۔۔آج اسے رونا نہیں تھا۔

"مریم بچے۔۔"

"نہیں تایا ابو۔یہ ہمارا معاملہ ہے۔ہمیں بات کرنے دیں۔"وہ انہیں وہیں ٹوک گئی۔

"جواب دو مجھے۔صرف ایک حرفی تسلی بخش جواب دے دو میں تمہارے ساتھ ابھی اٹھ کر چلی جاؤں گی۔"وہ اس کی طرف دیکھ کر مضبوط لہجے میں بولی۔

"میری کئی ضرورتیں تھیں۔میری جاب ایسی تھی کہ میں تم سے دور تھا۔مجھے میری ضروریات کے لئے کسی عورت کی ضرورت تھی۔"وہ بولا بھی تو کیا۔

"ایسی کون سی ضرورتیں تھیں تمہاری جن کو پورا کرنے کے لئے تمہیں ایک عورت کی ضرورت تھی؟"وہ طنزیہ انداز میں بولی۔

"تم بچی نہیں ہو۔چھ چھ ماہ بعد میں چھٹی آتا تھا۔"وہ کھڑا ہوتا ایک دم چلا اٹھا۔

"تمہیں یاد ہے تم نے ہمارے ہنی مون پر مجھے جاب سے روک دیا تھا تم نے کہا تھا کہ تم مجھے ہمیشہ اپنے پاس دیکھنا چاہتے ہو۔میں تمہیں گنتی سے بتا سکتی ہوں کہ شادی کے بعد تم نے مجھے کتنے خالص لمحات سے نوازا ہے۔تم میرے پاس ہو کر بھی میرے پاس نہیں تھے۔میں تمہیں گن کر بتا سکتی ہوں کہ تم نے ان پانچ سالوں میں کتنی راتیں

میرے ساتھ گزاریں ہیں۔ تمہاری ضرورت تھی اور اس ضرورت کے لئے تم نے شادی بھی کر لی۔۔اور میں؟؟میری ضرورتیں کہاں گئیں؟"وہ اس کے مقابل کھڑی ہوتی اس سے دوگنی آواز میں چلائی۔

"بکواس بند کرواپنی۔ سن رہے ہیں آپ اس کی بکواس۔ کس قدر بے حیا ہے یہ۔" اسے فوراً آگ لگی تھی۔

"واہ عمیر صاحب واہ۔ آپ اپنی ضروریات پوری کرنے کے لیے افئیر بھی چلائیں اور دوسری شادی بھی کریں اور میں تم سے اپنے وقت اور ضرورتوں کا سوال کروں تو میں بے حیا ہوں۔"وہ داد دینے والے انداز میں بولی۔۔ سبھی خاموشی سے ان دونوں کو سن رہے تھے۔

"تم نے میری ساری زندگی برباد کر دی۔ میں نے شادی کے چند ماہ بعد ہی جان گئی تھی کہ تمہارے افئیرز ہیں۔ میں اس دن کے لئے چپ نہیں تھی کہ تم کسی کو بھی اٹھا کر میرے برابر کھڑا کر دو گے اور میں چپ رہوں گی۔"اب کی بار آنکھیں بہنے لگی تھیں۔

"تمہارا شمار ان مردوں میں ہوتا ہے جو عورت کو کبھی خود سے آگے بڑھتا نہیں دیکھ سکتے۔ جنہیں بیوی صرف گھر سنبھالنے اور بچے پیدا کرنے کے لئے چاہیے۔ایک ایسی گونگی بیوی جو سب کچھ جان کر بھی اندھی اور بہری بن جائے۔ یہ تمہاری بھول ہے کہ میں اب تمہاری دسترس میں آؤں گی۔ میں نے تمہاری ہر زیادتی برداشت کی ہے۔ لیکن

اب۔۔۔اب کی بار تم نے حد کی ہے۔اور اس تماشے کو اب ختم میں کروں گی۔" وہ اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بولتی وہاں سے نکلتی چلی گئی۔ عمیر نے ایک پل کو نظریں اٹھا کر اس کو جاتے دیکھا اور تن فن کرتا وہاں سے نکلتا چلا گیا۔

☆☆☆☆☆

مرد کو دوسری شادی کا حق ہے، شریعت اور قانون دونوں اجازت دیتے ہیں۔ مگر اکثر مرد اس حکم کا اتنا حصہ ہی سنتے، سمجھتے اور اس پر عمل کرتے ہیں جتنا ان کے مطلب کا ہوتا ہے۔ مرد کو اگر کسی عورت کو تحفظ فراہم کرنا ہو، کوئی حادثاتی صورت حال ہو، اس صورت میں وہ نکاح کرے تو عورت کو اسے قبول کرنا چاہئے۔ مرد نے کسی بیوہ کو سہارہ دینا ہو، کسی باندی کو آزاد کروانا ہو تو نکاح کرے۔ایسی صورت میں عورتیں دل برداشتہ نہیں ہوتیں۔اللہ ان کے دل میں غم نہیں ڈالتا بلکہ عورت مرد کو اس کے فیصلے میں سپورٹ کرتی ہے۔ لیکن اگر مرد دوسری شادی کرے اور سینہ تان کر کہے کہ بھئی یہ میری محبت کی شادی ہے، تو ایسی صورت میں وہ سپورٹ کا نہیں کسی علاج کا حقدار ہے۔ کتنے مرد دیکھے ہیں آپ نے جنہوں نے دوسری شادی کسی بیوہ سے کی ہو، کسی بے سہارہ سے کی ہو۔ مرد کی دوسری بیوی ہمیشہ پہلی سے جوان اور خوبصورت ہوتی ہے۔ یہ سراسر خیانت ہے، اپنی بیوی کے ہوتے ہوئے آپ کسی اور عورت کی طرف راغب ہوں اور اپنی ہوس کو شریعت کا حکم کہہ دیں تو معزرت مگر آپ نے بس مردوں والا

اسلام ہی پڑھا ہے۔ یہ ایک extra marital affair ہے۔ جسے آپ کسی بھی طرح جسٹیفائی نہیں کر سکتے۔ آپ کی موجودگی میں اگر آپ کی بیوی کسی غیر مرد سے محبت کا دعویٰ کرے تو آپ معاف کر سکتے ہیں اس کے عمل کو؟؟

ooooooo

طیبہ نے چینج کرنے کے بعد ایک نظر موبائل کو دیکھا۔ وہ میرج ہال میں بیٹری لو ہونے کی وجہ سے ڈیڈ ہو گیا تھا۔ اس نے واپس آتے سب سے پہلے اسے چارجنگ پر لگایا تھا۔ بیس فیصد ہوتے ہی وہ اسے وہیں کھڑے کھڑے استعمال کرنے لگی۔ جیسے ہی اس نے موبائل آن کیا اس مخصوص نمبر سے آئی کئی کالز اس کا دل دھڑکا گئیں۔ نجانے اب وہ انسان اسے کون سی خبر دینے والا تھا۔ اس نے کانپتے ہاتھوں سے واٹس ایپ کھولی اور اسی نمبر کی چیٹ اوپن کی۔ کئی تصاویر، ویڈیوز اور لنکس بھیجے گئے تھے۔ اور سب سے آخر پر ایک وائس نوٹ تھا۔ پینتیس سیکنڈ کا وائس نوٹ۔ اس نے کانپتی انگلیوں سے وہ وائس نوٹ پلے کیا۔ کمرے کی خاموشی میں بھاری مردانہ آواز گونجنے لگی۔ اور وہ آواز دھیرے دھیرے اس کی جان نکال رہی تھی۔ وہ بے دم ہوتی نیچے بیٹھتی چلی گئی۔ آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔ دل کانپنے لگا۔ اسے ساری دنیا گھومتی ہوئی محسوس ہو رہی تھی۔

☆☆☆☆☆

"میں سعد کو لینے آیا ہوں۔ تم نے جہاں رہنا ہے رہو لیکن میرا بیٹا میرے ساتھ جائے گا۔" وہ آتے ہی بغیر سلام دعا کے بڑے کروفر سے بولا۔ مریم دھک سے رہ گئی۔ لیکن اسے یہ حوصلہ تھا کہ معید صاحب اس کے بچوں کو کبھی اس کے ساتھ نہیں جانے دیں گے۔ جبکہ معید صاحب پر سکون تھے۔ گویا انہیں اسی چیز کی امید تھی۔
"

"یہ لو ان کا سامان بھی اور ان کے سکول کا بھی خیال رکھنا۔ پتا ہے نا کہ یہ کون سی کلاس میں ہے اور کس سکول میں پڑھتا ہے۔؟" وہ ہنوز ٹھنڈے لہجے میں اس پر طنز کر رہے تھے۔ عمیر شش و پنج کا شکار ہوا۔ اس نے بس سعد کو لے کر آنے کا سوچا تھا اور اب منہا۔۔

"ابو میرے بچے۔۔" عمیر کے پلٹ جانے پر ساکت سی مریم کے وجود میں جنبش ہوئی۔۔ وہ چیخ کر اٹھی مگر ثانیہ بیگم نے اسے تھام لیا۔ "ابو یوں نہ کریں میرے ساتھ، میرے بچے ہیں وہ۔ میں کیسے رہوں گی ان کے بغیر۔۔" وہ تڑپ تڑپ جا رہی تھی۔ سعد باپ کہ انگلی چھڑوا کر ماں کی طرف بھاگا۔

"چلو سعد" اسے ماں کے آنسو صاف کرتے دیکھ عمیر نے فوراً سعد کو کھینچ لیا۔ مریم بہتی آنکھوں اور گم ہوئے حواسوں کے ساتھ اپنے بچوں کو جاتا دیکھ رہی تھی۔

"ابو یہ کیا کیا آپ نے؟" معاذ بھی ششدر سا تھا۔

"میں بس یہ دیکھنا چاہتا ہوں کہ وہ باپ کیسا ہے۔ مریم میں نہیں چاہتا کہ میرے ایک فیصلے سے ان بچوں کی زندگی برباد ہو جائے۔ وہ ساری عمر باپ کے لمس کو ترسیں۔ میں تمہارا باپ ہوں، میں تمہارا بھلا چاہوں گا۔۔ تم عمیر کے ساتھ نہیں رہنا چاہتی اور میں تمہیں بھیجنا نہیں چاہتا لیکن تمہارے دو بچے ہیں مریم۔ مجھے کوئی بھی فیصلہ لینے سے پہلے ان کے بارے میں بھی سوچنا ہے بیٹا!" وہ اس کو اپنے حصار میں لیتے بولے۔ "وہ شوہر کیسا تھا ہم سب جانتے ہیں۔ بس یہ دیکھنا چاہتا ہوں کہ آیا اس کے جذبات بطور باپ زندہ ہیں یا ان پر بھی ہوس چھا گئی ہے۔" وہ اسے دھیرے دھیرے سمجھا رہے تھے لیکن مریم کا دل و دماغ بس بچوں میں ہی اٹکا تھا۔ وہ کچھ سمجھ نہیں رہی تھی۔

☆☆☆☆☆

"ہاں! یہ صحیح ہے، میں یہیں بیٹھتی ہوں، صبح اسفند اٹھے گا تو سب ٹھیک ہو جائے گا۔" اس نے خود کلامی کی، مگر کیا اسفند صبح اٹھ پائے گا؟ کیا وہ کبھی اٹھ پائے گا؟ یہ سوچ آتے ہی وہ پھر کانپنے لگی۔ تو کیا وہ مر گیا؟ خوف کی ایک لہر اس کے سر سے پاؤں تک سرائیت کر گئی۔

اسے کیا کرنا چاہیے؟ ایسے ماحول میں ایک لڑکی کو کیا کرنا چاہیے؟ جب شوہر لٹیرا بن جائے تو ایک لڑکی کو کیا کرنا چاہیے؟ اس کا دماغ کام کرنے سے انکاری تھا۔ وہ کیا کرے گی مستقبل میں؟ اس کی زندگی کیا ہو گی؟ وہ کچھ بھی سوچنے، سمجھنے سے عاری تھی۔ چند گہری

سانس لے کر اس نے اپنی کپکپاہٹ پر قابو پایا اور کلچ میں سے فون نکال کر طیب کا نمبر ملانے لگی۔ چند پل بعد طیب کی آواز ابھری۔۔

"ہیلو! طیبہ از ایوری تھنگ اوکے؟" اس کی آواز میں حیرانگی تھی، طیبہ کا دل بھر آیا۔ "ہیلو! طیبہ آر یو دیئر؟" وہ ذرا بے چین اور بلند آواز میں بولا۔

"طیب۔۔" لڑکھڑاتی آواز اور کپکپاتی سانسوں کے ساتھ وہ بولی، آنسو پھر بہنے لگے۔

"طیبہ کیا ہوا؟ تم ٹھیک ہو؟ رو کیوں رہی ہو؟" اس نے ایک ساتھ کئی سوال کر ڈالے۔

"طیب۔۔ مم، میں نے اسے مار دیا۔۔ طیب وہ مر گیا۔۔ مجھے لینے آجاؤ پلیز۔۔۔ پلیز ابھی۔۔ اسی وقت۔۔ لینے آجاؤ مجھے۔۔" بات کرتے وہ شدتوں سے رو دی، کپکپاتا لہجہ۔۔ شدت سے بہتے آنسو۔ طیب کے دل پر ہاتھ پڑا۔

"تم پریشان مت ہو، میں آرہا ہوں، پریشان مت ہونا بالکل بھی۔" وہ بات کرتے کرتے ہی اٹھ کھڑا ہوا اور گاڑی نکالنے لگا۔۔ طیبہ نے کال بند کرنے کی بجائے فون کان سے ہی لگائے رکھا۔ اسے کال کے اس پار بیٹھے طیب کی آواز سے ہی طاقت سی مل رہی تھی۔

☆☆☆☆☆☆

آج نواں دن تھا اسے یونہی اجڑی ہوئی حالت میں بیٹھے ہوئے۔ کمرے میں سعد اور منہا کے کھلونے ابھی بھی یونہی بکھرے ہوئے تھے، اگر کوئی سمیٹتا بھی تھا تو وہ پھر انہیں بکھیر کر بیٹھ جاتی تھی۔ جن بچوں کے لئے وہ آج تک اتنا سب کچھ برداشت کرتی آئی تھی اگر وہ بچے ہی اس کے پاس نہ رہتے تو وہ کیا کرتی۔ اس کا باپ چند دنوں بعد اسے کہیں اور بیاہ دیتا۔ مگر اس کے بچے؟ کیا وہ ان کے بغیر رہ پاتی؟ کیا اپنے وجود کے دو ٹکڑے چھوڑ کر کہیں سکون سے رہا جا سکتا تھا؟ اس کے باپ نے کہا تھا کہ وہ اسے انصاف دلائے گا۔ وہ ایسے انصاف کا کیا کرتی جس میں اسے خسارہ در خسارہ ہوتا۔ اپنے بچوں کے لئے وہ عمیر کو برداشت کر سکتی تھی۔ اس کی بیوی کو بھی برداشت کر سکتی تھی۔ شرط یہ کہ اس کے بچے اس کے ساتھ ہوتے۔ کسی ٹرانس کی سی کیفیت میں وہ اٹھی اور دروازہ کھول کر باہر نکل گئی۔ لاؤنج میں اس وقت سبھی شام کی چائے پی رہے تھے۔ معاذ بھی اپنے بچوں کے ساتھ بیٹھا ان سے کچھ بات کر رہا تھا، بس ایک وہی تھی جو اجڑ گئی تھی۔ صحیح معنوں میں اجڑ گئی تھی۔ بنا کسی چیز کی پرواہ کئے وہ خارجی دروازے کی طرف بڑھی، اسے اپنے بچوں کے پاس جانا تھا، ہر حال میں جانا تھا۔ تبھی معاذ کی نظر اس پر پڑی۔

☆☆☆☆☆☆

"جان پہچان ہے میری اس سے، چھوڑو مجھے یہ بتاؤ کہ دوسری شادی کی کیا نوبت آ گئی بھئی، آج کل ایک سنبھال لیں بڑی بات ہے اور تمہاری آمدن بھی تو اجازت نہیں دیتی

تمہیں۔" وہ چائے کا گھونٹ بھرتے نارمل سے انداز میں پوچھ رہے تھے، انداز میں کوئی تفتیش نہیں تھی، عمیر نے گہرہ سانس لیا اور ہمت باندھی، جو وہ کہنے جا رہا تھا اس کے لئے ہمت چاہئے تھی۔

"بس سر۔۔جب وقت برا چل رہا ہو تو کچھ بھی ہو جاتا ہے، دوسری شادی پر سب نے مجھے ہی قصوروار ٹھہرایا مگر سچ صرف میں ہی جانتا ہوں اور میں یہ بھی جانتا ہوں کہ اگر میں نے وہ سچ کسی کو بتا دیا تو وہ بدنام ہو جائے گی، کچھ بھی ہو وہ میرے بچوں کی ماں ہے۔" وہ لہجے کو افسردہ اور پراسرار سا بنا کر بولا۔

"ایسا کیا کیا ہے اس نے؟" اجمل صاحب ایک دم سیدھے ہو کر بیٹھے اور متجسس انداز میں بولے۔

"میں کیسے بتاؤں سر!" وہ ذرا بے بسی سے بولا۔ "بس یہ سمجھ لیں کہ کردار کی اچھی نہیں تھی مگر میں ابھی بھی اسے اپنانے کو تیار ہوں، جو بھی ہو وہ میرے بچوں کی ماں ہے۔" عمیر نے وہی پینترہ اپنایا جو اس قماش کا ہر مرد اپناتا ہے، بات مکمل کر کے اس نے آگے بڑھ کر چائے کا کپ تھام لیا، جو بات وہ کہہ چکا تھا اس کی سچائی وہ خود جانتا تھا۔ اس کو ہضم کرنے اور کہیں دور سے آتی ضمیر کی آواز کو دبانے کے لئے اسے اس وقت گلاتر کرنے کی اشد ضرورت تھی۔

☆☆☆☆☆

وہ نیند میں تھی، جب ذہن اسے ماضی میں لے گیا، آج پھر اس کی ماں اس کے باپ کے عتاب کا نشانہ بنی تھی۔ اس کا باپ اس کی ماں کے چہرے پر بے دریغ تھپڑ برسا رہا تھا اور وہ رو رہی تھی، بے بسی سے، تکلیف سے، بآواز۔ ارد گرد کے لوگ چھتوں پر چڑھے ان کے گھر میں جھانک رہے تھے گویا کوئی تماشا چل رہا ہو۔

"ابو،، ابو بس کریں۔۔ ابو۔۔" وہ بس یہی کہتی جا رہی تھی، حسن احمد نے اس کی آہ و بکا سن کر بیوی سے ہاتھ ہٹایا اور اس کی طرف پلٹا، وہ پلٹا تو رملہ کو لگا وہ چہرہ حسیب کا ہے۔ وہ کچھ پل کو ساکت ہو گئی۔

"نہیں حسیب۔۔ رک جاؤ۔۔" وہ حسیب کو اپنی طرف بڑھتا دیکھ کر چیخنے لگی، جو اب قہقہے لگاتا اس کے منہ پر تھپڑ مار رہا تھا، وہ نیند میں تھی اور یہ خواب تھا، وہ شاید اسی کیفیت میں رہتی مگر کوئی چیز تھی جو اسے نیند سے کھینچ لائی تھی۔ اس کا دل بہت شدت سے دھڑک رہا تھا، حواس قائم نہیں تھے، اس نے نظریں گھما کر اپنے ہاتھ کی طرف دیکھا جہاں حسیب نے اپنا ہاتھ رکھا تھا، رملہ نے نظریں اٹھا کر حسیب کو دیکھا، سائیڈ ٹیبل لیمپ کی مدھم روشنی میں اس کے نین نقوش واضح نظر آ رہے تھے، وہ آنکھوں میں تفکر اور پریشانی لئے اس پر جھکا ہوا تھا۔ رملہ کا دل ایک دم زور سے دھڑکا۔

"تم نیند میں ڈر گئی تھی؟ کوئی پریشانی ہے؟" وہ اس کا ہاتھ سہلاتے پوچھ رہا تھا، رملہ کی آنکھوں میں پانی اکٹھا ہونے لگا۔

"رملہ! تم مجھے بتا سکتی ہو؟" وہ اس کے گال پر ہاتھ رکھتے بولا، رملہ کے لب کپکپانے لگے۔ آنسو تیزی سے اس کے گالوں پر لڑھکنے لگے، اس نے کئی راتیں اس طرح گھٹ گھٹ کر روتے گزاری تھیں مگر اب کوئی تھا جو اس کے آنسو صاف کر سکتا تھا۔ لبوں کی کپکپاہٹ پہلے ہاتھوں کی انگلیوں تک گئی اور پھر وہ ساری ہی کپکپانے لگی، اسے پھر سے پینک اٹیک آ رہا تھا۔ وہ ایک دم سب بھولتے خود پر جھکے حسیب کے گلے لگ گئی، گھٹ گھٹ کر رونا اب سسکیوں میں بدل گیا تھا۔ حسیب نے اسے اپنے حصار میں لے کر بیڈ کراؤن سے ٹیک لگا لی، کچھ دیر رونے کے بعد وہ سیدھی ہوئی تو حسیب نے نرمی سے اس کے آنسو صاف کئے۔

"ابو نے امی کو ڈائیورس دی تھی، بارہ سال پہلے۔۔" مسلسل رونے کی وجہ سے اس کی ہچکی بندھ گئی تھی۔

Clubb of Quality Content

"میں کبھی شادی نہیں کرنا چاہتی تھی حسیب، کیونکہ مجھے مردوں سے نفرت محسوس ہوتی ہے، مجھے ان پر بھروسہ نہیں، میں کیسے ان پر بھروسہ کر لوں، میں نے آنکھ ہی اپنے باپ کو اپنی ماں پر چلاتے اور اسے مارتے دیکھ کر کھولی تھی۔" وہ چند پل کو رکی، حسیب اسے بغور سن رہا تھا۔

"میں نے اپنی ساری زندگی روتے ہوئے اور پریشانیوں میں گر کر گزاری ہے، جب میری شادی ہوئی تھی میں تب بھی بہت پریشان تھی، بہت نروس تھی، آپ نے محسوس

کیا ہو گا لیکن اب میں مطمئن ہوں۔ مجھے لگتا ہے اللہ نے میری آزمائش ختم کر دی ہے، اللہ نے میرے لئے بھی خوشیاں لکھی ہیں، مجھے بھی خوش ہونے کا حق حاصل ہے۔" وہ حسیب کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں تھامے اب روتے ہوئے مسکرا رہی تھی۔

آج کے دن کا اختتام برا نہیں تھا۔۔۔

☆☆☆☆☆

ہمارے تعلیمی اداروں میں اسی چیز کی کمی ہے۔ اساتذہ ٹرائی اینگل کے تین کونوں کو ثابت کروانے کے ہزار ہا کلیے بتاتے ہیں مگر یہ نہیں بتاتے کہ کسی سوشل گیدرنگ میں کسی کے ویک پوائنٹ کو ڈسکس نہیں کرتے۔ کہ کسی کو یہ نہیں بتاتے کہ تم موٹے ہو رہے ہو، اسے یہ نہیں بتاتے کہ تم پتلے ہو گئے ہو، اسے یہ نہیں کہتے کہ تم کالے ہو گئے ہو، اس سے اس کی سیلری اور جاب کے بارے میں نہیں پوچھتے، اسے یہ نہیں کہتے کہ اپنے ڈارک سرکل دیکھو، اسے یہ نہیں کہتے کہ تمہاری شادی کی عمر نکل گئی ہے، اسے یہ نہیں کہتے کہ تمہارا ابھی تک بچہ کیوں نہیں ہوا، اسے یہ نہیں جتاتے کہ اگر تمہیں طلاق کوئی ہے تو تمہارا قصور ہے۔ یہ سوشل ایجوکیشن ہے جو کسی تعلیمی ادارے میں عام نہیں ہے۔

لڑکوں کو کسی تعلیمی ادارے میں نہیں بتایا جاتا کہ عورت کی عزت کیسے کرنی ہے، میں نے ذاتی طور پر کئی مرد اساتذہ کو لڑکوں کو لڑکیوں کے حوالے سے چھیڑتے دیکھا

ہے۔ کئی مرد اساتذہ اپنے مرد طالب علموں سے خود پوچھتے ہیں کہ کوئی بچی سیٹ ہوئی یا نہیں۔ اور جس دن میں نے اپنے ٹیچر کی زبان سے یہ الفاظ سنے تھے، میں حیران تھی۔ میں اس چیز کو ابھی تک پراسیس نہیں کر پائی کہ آیا وہ شخص واقعی استاد تھا۔

ہمارے تعلیمی اداروں میں کوئی ٹیچر بچیوں کو شادی شدہ زندگی کے حوالے سے علم نہیں دیتی۔ کبھی کسی نے نہیں بتایا کہ تمہارے ایک بیوی کے طور پر کیا حقوق و فرائض ہوں گے۔ تم نے کیسے اپنے سسرال میں سروائیو کرنا ہے۔

اور تو اور ہمارے نوجوانوں کا ازدواجی استاد فحاش سائٹس ہیں۔ کبھی ماں باپ نے ان کو نہیں بتایا کہ تمہاری شادی ہونے والی ہے تو تم نے کیا کرنا ہے۔ اور فحاش ویڈیوز سے سیکھے گئے علم سے اسفند مرزا جیسے طالب علم جنم لیتے ہیں۔

کسی سکول میں بچیوں کو مقررہ وقت پر ان کے ماہواری کے مسائل کا نہیں بتایا جاتا، بچیاں عموماً شرمیلی ہوتی ہیں اور ایسی حالت سے پریشان ہو جاتی ہیں، وہ کئی طرح کے مسائل ماں باپ سے ڈسکس نہیں کر پاتیں اور بعد وہ مسائل خطرناک صورتحال اختیار کر لیتے ہیں۔۔

کبھی کسی باپ نے بیٹھ کر اپنے بلوغت کو پہنچنے والے بیٹے کو جوانی کے مسائل نہیں بتائے۔

ہو سکتا ہے کچھ لوگ بتاتے ہوں۔ مگر یہ تعلیم عام نہیں ہے، اس سب کو بھی ابھی ایک شرمندگی سمجھا جاتا ہے جبکہ یہ نیچر ہے۔ میں بے شرم ہونے کو نہیں کہہ رہی میں بس شعور پھیلانے کا کہہ رہی ہوں۔ میں نہیں کہہ رہی کہ ان مسائل کی ڈسکشن کو عام کر دیا جائے لیکن علم تو ہونا چاہیے نا۔ کتنے مرد ہیں جو شادی سے پہلے عورت کے مسائل کو پڑھنے کی کوشش کرتے ہیں تاکہ وہ جان سکیں کہ ان کی زندگی میں داخل ہونے والی عورت کو انہوں نے کیسے ڈیل کرنا ہے؟ مردوں کو علم ہونا چاہیے کہ عورت کو ماہواری میں تکلیف ہوتی ہے تاکہ کل کو اس کی بیوی آئے تو اسے پتہ ہو کہ اس کا خیال کیسے رکھنا ہے۔ انہیں پتہ ہونا چاہیئے کہ ان کی شادی ایک لڑکی سے ہوئی ہے کسی پیشہ ورانہ عورت سے نہیں کہ ان کے ساتھ پہلی ہی رات میں تعلقات قائم نہیں کر سکتی۔ انہیں پتہ ہونا چاہیئے کہ شادی کا مطلب صرف ازدواجی تعلقات قائم کرنا نہیں ہے۔ شادی بے شک نفس کو قابو میں رکھنے کے لیے اور نسل پرستی کے لئے کی جاتی ہے مگر اس کام کے لیے پوری زندگی پڑی ہوتی ہے۔ شوہر کا اولین فریضہ بیوی کو کمفرٹ کرنا، اسے تحفظ اور اعتماد فراہم کرنا ہونا چاہیئے۔

☆☆☆☆☆

ہمارے معاشرے کا ایک سب سے گرا ہوا عمل marital rape ۔ ہماری بچیوں کو کوئی حراس کر دے تو مائیں کہتی ہیں کہ باپ اور بھائی کو مت بتانا۔ لڑائی ہو گی، یہ

ہو گا وہ ہو گا۔ کیوں؟ کیوں وہ باپ اور بھائی کو نہ بتائے؟ کیوں وہ اپنے محافظ کو نہ بتائے؟ کیوں باپ اور بھائی اسے اتنا تحفظ نہیں دیتے کہ وہ کھل کر انہیں یہ بتا سکے کہ اسے فلاں کزن، فلاں کلاس فیلو، فلاں لڑکا حراس کر رہا ہے۔ کیوں وہ اسے یہ نہیں بتاتے کہ جب کوئی حراس کرے تو کیسے ری ایکٹ کرنا ہے۔ ریپ کو شادی کے بعد نارملائز کر دیا جاتا ہے۔ کیوں؟ اگر آپ کی بیوی کے consent کے بغیر آپ اس کے قریب جائیں گے تو یہ ریپ ہے۔۔ انکار کا مطلب انکار کی ہوتا ہے اور ریپ ریپ ہوتا ہے۔ آپ کی بیوی انسان ہے، اس کے اموشنز ہیں، وہ چابی والی گڑیا نہیں ہے جو آپ کے اشاروں پر چلے گی۔ جب آپ اس سے اپنی تمام ضروریات کی ڈیمانڈ کرتے ہیں تو بدلے میں اسے عزت بھی دیں۔ سارا دن آپ اسے بے عزت کریں اور اپنی ضرورت پوری کرنے کے لئے آپ اس کے ساتھ جانوروں جیسا سلوک کریں اور اس کے اعتراض پر اسے ہی گناہگار ٹھہرائیں۔ یہ کہیں کا انصاف نہیں ہے۔ اصل مردانگی عورت کا جسم حاصل کرنے میں نہیں بلکہ اس کا دل حاصل کرنے میں ہوتی ہے۔

☆☆☆☆☆

ناکام شادیوں اور گھریلو ناچاقیوں کی سب سے بڑی وجہ، گھر والوں کا میاں بیوی اور شادی شدہ اولاد خواہ لڑکی یا لڑکا، کی زندگی میں مداخلت کرنا۔ بھئی یا تو آپ ان کی شادی نہ کرتے، اور اگر شادی کر دی ہے تو انہیں اپنے فیصلے خود لینے دیں۔ کب تک ہاتھ پکڑ کر

چلاتے رہیں گے انہیں۔ اگر بیٹا خود کے قریب رکھنا تھا تو آپ شادی نہ کرتے۔ اب اگر اس کی شادی ہو گئی ہے، وہ بیوی کے قریب بیٹھ رہا ہے، اس سے بات کر رہا ہے تو اس پر اعتراض کیوں؟ انہیں ان کی زندگی میں، ان کے گھر میں ان کے اصول بنانے دیں۔

☆☆☆☆☆

"حسیب آج کہاں گئے تھے آپ؟" حسیب رات کو واپس آیا تو رملہ سراپا ئے سوال بنی کھڑی تھی۔

"امی نے بلایا تھا، کچھ کام تھا۔" اس نے اکھڑے لہجے میں جواب دیا اور گھڑی اتار کر سائیڈ ٹیبل پر رکھی۔

"امی نے بلایا تھا اور آپ بھاگے چلے آئے، تو میں؟ مجھے کس کے آسرے چھوڑ آئے تھے وہاں، اور اگر آنا ضروری بھی تھا تو آپ بتا سکتے تھے مجھے۔ کیوں نہیں بتایا مجھے؟" کوشش کے باوجود وہ غصے پر کنٹرول نہیں رکھ پا رہی تھی۔

"ہاں نہیں بتایا، مرضی میری۔ کیا کر لو گی؟ تم کون سا کوئی جوان دوشیزہ ہو جو میری غیر موجودگی میں ڈر گئی، ایک پکی عمر کی عورت ہو تم پر یہ چھچھورا پن سوٹ نہیں کرتا رملہ!" وہ سینہ تان کر اس کے سامنے آن کھڑا ہوا۔ رملہ کو اس کے الفاظ سینے میں پیوست ہوتے محسوس ہوئے۔

"حسیب میں کیوں چپ کروں ہمیشہ، میں نے آپ کو اپنا راز بتایا آپ نے اس کی تشہیر کی اور میں چپ رہی، اٹھتے بیٹھتے مجھے باتیں سننے پڑتی ہیں آپ کی وجہ سے۔ پہلے دن سے ہمارے درمیان آپ کی فیملی اور آپ کی ماں کی وجہ سے مسائل پیدا ہو رہے ہیں۔" وہ چیخ کر بولی۔ "اور ایک بات میری یاد رکھئیے گا، آپ کی ماں آپ کا گھر کبھی نہیں بسنے دیں گی۔" وہ اس کی آنکھوں میں دیکھ کر بولی، غصے سے اس کا تنفس پھولا ہوا تھا۔

"گھر میری ماں نہیں تمہاری ماں کی وجہ سے ٹوٹے گا، ماں کے نقشِ قدم پر چل کر تم اپنا گھر خراب کرو گی۔" وہ اس کے کندھے کو جھٹکا دیتا بولا۔ ابھی ابھی عالیہ بیگم نے بھی تو اسے یہی کہا تھا کہ اسے ذرا لگام ڈال کر رکھو، ہو سکے تو ایک آدھ لگا بھی دینا۔

"بد تمیزی مت کریں حسیب مجھ سے۔" رملہ کی شاید برداشت ختم ہوئی تھی، وہ بلند آواز میں دھاڑ کر بولی۔

Clubb of Quality Content

"زبان سنبھال کر بات کرو۔" حسیب ایک دم ہاتھ بلند کر گیا، رملہ ڈر کر پیچھے کو ہوئی اور لڑکھڑا کر بیڈ گر گئی۔ بے شک اس کے چہرے پر تھپڑ نہیں لگا تھا لیکن اسے تکلیف محسوس ہوئی تھی۔ حسیب چند پل اسے دیکھتا رہا اور پھر کمرے سے نکل گیا۔ رملہ کئی پل صدمے کی سی کیفیت میں وہیں بیٹھی رہی گویا یقین کر رہی ہو کہ ابھی ابھی اس کا شوہر اس پر ہاتھ اٹھانے والا تھا۔ یا شاید اٹھا چکا تھا۔

☆☆☆☆☆

"وی آر گوئنگ ٹو بی پیرنٹس حسیب۔" وہ بھرپور مسکراہٹ کے ساتھ سرگوشی میں بولی۔ "آئی ایم پریگننٹ۔" اس کی آنکھوں میں دیکھتے وہ اس وقت بے انتہا خوش تھی۔

"میں آپ کو بتا نہیں سکتی میں کتنی خوش ہوں، میں اپنے بچے کو کبھی ان محرومیوں کا سامنا نہیں کرنے دوں گی جن کا سامنا میں نے کیا ہے۔" وہ کیک کا پیس اس کے منہ کی طرف بڑھاتی نم آنکھوں سے بولی، حسیب ساکت کھڑا اسے سن رہا تھا۔

"یہ تم کیا کہہ رہی ہو؟" وہ ناسمجھی سے بولا گویا یقین نہ آیا ہو۔

"میں کہہ رہی ہوں کہ آپ بابا بننے والے ہیں۔" وہ کیک کا ٹکڑا اس کے آگے کرتی بولی، حسیب نے ہاتھ بڑھا کر اسے پیچھے جھٹک دیا۔

"رملہ تم پاگل ہو؟ عقل ہے تم میں یا نہیں؟" وہ غصے سے چیخا۔

"کیا ہوا؟" وہ حیران تاثرات سے اسے دیکھ رہی تھی۔

"تم ابھی بھی مجھ سے پوچھ رہی ہو کہ کیا ہوا؟ تم اتنی بیوقوف ہو مجھے اندازہ نہیں تھا۔ میری آمدن کا تمہیں پتہ ہے۔ تمہیں احتیاط کرنی چاہیے تھی احمق عورت۔" وہ افسوس سے سر جھٹکتا بولا۔

"یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں؟" وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے اسے دیکھ رہی تھی، ساری خوشی پل میں ملیامیٹ ہو گئی تھی۔ اسے لگا حسیب مذاق کر رہا ہے۔

"زندگی عذاب کر دی ہے میری تم نے۔" ایک ٹھوکر پاس پڑے کیک کو مارتا وہ کمرے سے نکل گیا، رملہ وہیں زمین پر بیٹھی رونے لگی۔ اس میں کوئی شک نہیں تھا کہ اسے اس کے باپ سے بھی گھٹیا شوہر ملا تھا۔

☆☆☆☆☆

"تمہیں کیا لگتا ہے کہ اگر تم نے طلاق نہ دی تو میں تم سے الگ نہیں ہو سکتی، مت بھولو میرے پاس خلع کا حق ہے اور میں اسے جلد ہی استعمال کرنے والی ہوں۔" اس کی بات پر اسفند نے ایک بلند قہقہہ لگایا۔ ایسا قہقہہ جو کسی بچے کی بات پر لگایا جاتا ہے۔

"شیور ڈارلنگ! اس سے بہتر کیا ہو گا تم تو میرا راستہ مزید آسان کر دو گی۔ جانتی ہو کیسے؟؟" وہ بات ختم کر کے لمحے بھر کو رکا، جیسے وہ اس کے بولنے کا منتظر ہو۔ مگر اس کی خاموشی محسوس کر کے وہ خود ہی بولنے لگا۔

"تمہیں کیا لگتا ہے خلع لینا اتنا آسان ہے؟ تم ابھی شاید مردوں کو اچھے سے جانتی نہیں ہو۔ مرد ضد پہ آجائے تو وہ خود سے منسلک عورت کو کبھی نہیں چھوڑتا۔ اگر چھوڑ بھی دے تو کبھی کسی دوسرے مرد کے قابل نہیں چھوڑتا۔ طلاق نامے میں جو خانہ ہوتا ہے ناطلاق کی وجہ کا، وہاں وہ عورت کے کردار کی ایسی دھجیاں اڑاتا ہے کہ وہ خود دوبارہ کسی مرد کا سامنا کرنے سے کتراتی ہے۔" وہ زہر بھرے لہجے میں فون کے اس پار سے پھنکار رہا تھا۔

"مت بھولو کے تمہارے کریکٹر سرٹیفیکیٹ پر جب تک میں سیگنیچر نہیں کروں گا، تمہارا کردار دنیا کی نظروں میں مشکوک ہی رہے گا اور ذرا سوچو میونسپل آفیسر طیبہ مرتضیٰ کے ماضی کے بارے میں جب اس کا شوہر ہی یہ کہے گا تو اس کی کیا عزت رہ جائے گی۔ طیبہ مرتضیٰ جسے آدھا لاہور جانتا ہے، شادی کی پہلی رات ہی اپنے شوہر کے گھر سے فرار۔ اف! ذرا سوچو اپنے بھائی کی حالت۔" وہ اب کی بار پر لطف لہجے میں بولا۔ طیبہ ابھی تک گنگ تھی۔ وہ کیا کہتی۔ کہنے کو کچھ بچا ہی نہ تھا۔ آنسو قطار در قطار اس کی آنکھوں سے ٹوٹ کو گالوں سے ہوتے ہوئے ٹھوری سے ٹپک رہے تھے۔

☆☆☆☆☆

"کہاں جا رہی ہو بے غیرت عورت؟ واپس آؤ۔" حسیب نے آگے بڑھ کر اس کا ہاتھ تھام لیا۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

"خبردار۔ خبردار اگر تم مجھ پہ چلائے یا مجھ پہ ہاتھ اٹھانے کی کوشش کی تو۔ اگر میں چلانے پہ آئی تو تم سب کی چیخیں نکل جائیں گی۔ سمجھے تم۔" وہ اس سے دو سیڑھیاں اوپر کھڑی اس کے قد کے برابر آ رہی تھی۔ انگلی حسیب کی طرف کرتے وہ اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر غرائی تھی۔ حسیب اس کے لب و لہجے پہ ٹھٹھک گیا۔ وہ اسے آپ کہتی تھی۔

"نہ تم مجھے خرید کر لائے ہو نہ ہی میں تمہارے ساتھ بھاگ کر آئی ہوں۔ عزت سے لائے ہو تو عزت دینا سیکھو، ورنہ بے عزت کرنے میں مجھے بھی بہت مزہ آتا ہے۔ اور خبردار اگر آج کے بعد تم نے مجھے گالی دی۔ یہ بات یاد رکھنا کہ گالیاں مجھے بھی دینی آتی ہیں۔" ایک کرخت نظر وہ لاؤنج میں موجود سب پر ڈال کر اپنے کمرے کی طرف چلی گئی۔ حسیب ابھی تک ساکت کھڑا تھا۔

"ہائے حسیب میں مر جاؤں۔ اس حرافہ کی زبان دیکھ۔ توبہ توبہ، یہ ساری سیکھی سکھائی زبان ہے اس کی۔" حسیب کی ماں فوراً ہوش میں آئی۔ اس سے پہلے کہ وہ مزید کچھ کہتی رملہ کے دھاڑ سے دروازہ بند کرنے کی آواز آئی۔

"یہ دروازہ تیرا باپ نہیں لگوا کر دے کر گیا۔" وہ نیچے سے چلائی۔ اس کی آواز رملہ تک بخوبی پہنچی تھی۔ ایک پل کو اس نے کہا اگنور کرو، مگر دوسرے ہی پل اس نے بیگ بیڈ پر پھینکا اور دروازہ کھول کر ریلنگ کے قریب ہوئی، حسیب ہنوز سیڑھیوں کے پاس ہی کھڑا تھا۔

"اگر میرے باپ سے آپ کا رابطہ ہے تو اس سے کہنا وہ لگوا دے گا۔" وہ بھی اپنی پوری قوت سے چلائی۔ حسیب اس کی بات کا پسِ منظر سمجھ کر ہوش میں آیا اور اوپر کی طرف بڑھا۔ مگر تب تک وہ دروازہ بند کر کے چٹخنی چڑھا چکی تھی۔ وہ وہیں کھڑا دروازے کو ٹھوکریں مارتا اسے گالیاں بکتا رہا۔

☆☆☆☆☆

"ہیلو! اسفند۔۔" وہ بے تابی سے بولی۔

"ارے واہ! آج تو میری پیاری بیوی جیسے میرے فون کے انتظار میں ہی بیٹھی تھی۔" وہ اس کی عجلت پر طنز کرتا بولا۔ "تو بتاؤ پھر کیا سوچا ہے تم نے؟" وہ اس کی خاموشی کو محسوس کر کے بولا۔

"میں تمہارے ساتھ جانے کو راضی ہوں اسفند! مگر ایسا کچھ مت کرنا پلیز۔" طیبہ جانتی تھی اس نے یہ بات کتنے بھاری دل سے کہی تھی۔

"ویری گڈ! مجھے تم سے یہی امید تھی۔ دیکھو اچھی بیویوں والے سارے گٹس ہیں تم میں" اسفند اس کی حالت انجوائے کر رہا تھا۔

"اگر تم کہو تو میں آج ہی تمہارے گھر چلی جاؤں گی۔" وہ سرخ ہوتی آنکھوں سے ضبط کرتے بولی، آنسوں پر بمشکل بند باندھا تھا۔

"نہیں ایسی بھی جلدی نہیں ہے۔ میں ابھی واپس آ رہا ہوں، سیدھا تمہاری طرف آؤں گا۔ تم بس تیار رہنا۔ جانتی ہو نا میں کس تیاری کی بات کر رہا ہوں۔" وہ معنی خیزی سے بولا تو طیبہ نے آنکھیں زور سے بند کیں، آنکھوں میں جمع ہوئے آنسو تیزی سے گالوں پر بہہ گئے۔

"اوکے ملتے ہیں۔" وہ فون بند کر چکا تھا۔ طیبہ نے سر سیٹ کی پشت سے ٹکا دیا۔ یہ سب بہت تکلیف دہ تھا۔ ایک لڑکی کے لئے سب سے تکلیف دہ مرحلہ اس کے محرم کے منہ سے ایسی باتیں سننے کا ہوتا ہے۔ جو بھی تھا، یہ اس کی تقدیر تھی جسے اسے ہر حال میں قبول کرنا تھا۔ ٹشو سے چہرہ صاف کرتے وہ لیپ ٹاپ کی طرف متوجہ ہوئی جب کوئی دھڑام سے دروازہ کھولے اس کے آفس میں داخل ہوا۔ طیبہ نے حیران نظریں اٹھا کر سامنے والے کو دیکھا۔ سفید کاٹن کا کڑکڑاتا سوٹ پہنے، اس کے اوپر سیاہ جیکٹ، سرخ و سفید کلین شیو چہرہ اور گھنی سیاہ مونچھوں والا وہ شخص بڑے کروفر سے اس کے آفس میں نہ صرف داخل ہوا تھا بلکہ کرسی گھسیٹ کر بیٹھ بھی چکا تھا۔

"کون ہیں آپ؟" وہ لیپ ٹاپ سائیڈ پہ کرتی سنجیدگی سے بولی۔

"ناچیز کو ملک شہباز حیدر کہتے ہیں۔" سیاہ چشمہ آنکھوں سے اتار کر میز پر رکھتے وہ دلکش مسکراہٹ سے بولا۔

"میڈم میں نے ان کو منع بھی کیا تھا اندر آنے سے مگر یہ زبردستی آ گئے۔" اس کا ملازم نادم سے لہجے میں بولا تو طیبہ نے اسے ہاتھ کے اشارے سے واپس جانے کا بولا، ملک شہباز حیدر پر شوق نظریں اس پر ٹکائے بیٹھا تھا۔

☆☆☆☆☆

"تمہارے ڈیڈ نے بالکل ٹھیک کہا تھا کہ مڈل کلاس لڑکی جھک جاتی ہے۔ کمپرومائز کر لیتی ہے۔" وہ قدم قدم چلتی اس کے بیڈ تک آئی اور اس پر جھک کر سرگوشی سے بولی۔

"مگر تمہارے ڈیڈ نے تمہیں شاید یہ نہیں بتایا کہ عورت کے انتقام سے ڈرنا چاہیے۔" اسفند کے ماتھے سے لے کر اس کی ٹھوڑی تک اپنی شہادت کی انگلی سے ایک سطر کھینچتی وہ سرد لہجے میں بولی۔

"مرنے والے کو جب جان کے لالے پڑتے ہیں تو وہ مردار کھانے پر بھی مجبور ہو جاتا ہے۔ میں بھی مجبور ہو گئی تھی۔ مگر مردار کھانے کے لئے کسی کا مرنا بھی تو ضروری ہے نا۔" وہ اس کی بند آنکھوں کو نفرت سے دیکھ رہی تھی۔ "اور بہت شکریہ مرزا اسفند بیگ! میرا مردار بننے کے لئے۔" ایک سرد سی سرگوشی کرتے طیبہ اس پر سے اٹھ کھڑی ہوئی۔

☆☆☆☆☆

رملہ کو سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ وہ کیا کرے۔ اس کی ماں نے سیدھے طریقے سے اسے گھر سے نکل جانے کا کہا تھا، انہیں بس اپنی ساکھ کی فکر تھی، اس ساکھ کو قائم کرنے کے لیے بے شک رملہ کو اپنا آپ قربان کرنا پڑتا، انہیں منظور تھا۔ بس وہ اس پر طلاق کا ٹیگ نہیں لگوانا چاہتی تھیں کیونکہ اگر اس کو بھی طلاق ہو جاتی تو ساری دنیا نسرین بیگم کو

الزام دیتی۔اس کا دل اس رشتے کے لئے، حسیب کے لئے مر چکا تھا۔ مگر پھر بھی اسے سمجھوتہ کرنا پڑنا تھا، اپنے لیے نہ سہی اپنی ماں اور اپنی آنے والی اولاد کے لیے ہی سہی۔ بیوی اپنے شوہر کی طرف سے ملی تذلیل، گالی اور تھپڑ کبھی نہیں بھولتی۔ پہلی تذلیل پر عورت کے دل میں شوہر کے لئے بنایا گیا محبت، مان اور احترام کا وہ بت لڑکھڑاتا ہے، گویا کوئی عمارت زلزلے کے جھٹکے سے لڑکھڑاتی ہے، شوہر کی گالی اس جھٹکے کو مزید طاقت دیتی ہے اور تھپڑ سے عورت کے دل میں ایک دھماکے سے وہ عمارت پاش پاش ہو جاتی ہے۔اس زلزلے کے اثرات عورت کے پورے جسم پر محسوس کئے جا سکتے ہیں اور اس دھماکے کے نتیجے میں زخمی ہوا دل شاید ہی کبھی ہیل ہو سکے۔اس کے بعد مرد اگر ساری عمر عورت کے پیروں میں بھی بیٹھا رہے پھر بھی وہ عورت کے دل سے وہ ڈر نہیں نکال سکتا۔اس کا وہ روپ عورت کے دل کے نہاں خانوں میں نقش ہو جاتا ہے۔ہاں مرد کی معافی، محبت اور وقت مل کر اس بکھری عمارت کو سمیٹ سکتے ہیں لیکن اس کھنڈر کو کبھی پھر سے آباد نہیں کر سکتے۔رملہ کے دل و دماغ ایک دوسرے کو الٹ مشورے دے رہے تھے۔اس کا دل کسی صورت حسیب کی طرف مائل نہیں ہو رہا تھا۔وہ کیسے اس کا وہ روپ بھول جاتی۔ مگر سمجھوتہ اسے ہی کرنا تھا، ہر حال میں کرنا تھا۔

☆☆☆☆☆

طیبہ ششدر سی اس عورت کو دیکھ رہی تھی۔اس کی آنکھوں میں دکھ درد اور نفرت کی ایک داستان رقم تھی۔

آہ! پتہ نہیں مرد کس کس انداز میں عورت کو ڈستا ہے۔

"آپ نے بالکل ٹھیک کیا طیبہ باجی!" کیونکہ اس معاشرے میں **بیوہ ہونا طلاق یافتہ ہونے سے بہتر ہے۔**"طیبہ حیرانگی سے اس کی طرف دیکھ رہی تھی۔اسے کیسے علم ہوا؟ شاید ان دونوں کی آنکھوں میں درد کی ایک جیسی داستاں ہی رقم تھی،اور وہ دونوں ہی اسے پہچان لیا تھا۔

☆☆☆☆☆

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

Agr ap ye complete novel prhna chahte hn to dye gye number pr msg kren ya writer k Instagram acc pr msg kren

@laibasyedofficial